

۶۱۷	• حضرت لقمان نبی تھے یا نہیں؟	۵۷۸	• اخلاص خوف اور اللہ کا ذکر
۶۱۹	• حضرت لقمان کی اپنے بیٹوں کو نصیحت و وصیت	۵۷۹	• غیر مسلموں کو دلائل سے قائل کرو
۶۲۱	• قیامت کے دن اعلیٰ اخلاق کام آئے گا	۵۸۰	• حق تلاوت
۶۲۷	• انعام و اکرام کی بارش	۵۸۳	• محاسن کلام کا بے مثال جمال قرآن حکیم
۶۲۸	• حاکم اعلیٰ وہ اللہ ہے	۵۸۴	• موت کے بعد کفار کو عذاب اور مومنوں کو جنت
۶۳۰	• اس کے سامنے ہر چیز حقیر و پست ہے	۵۸۵	• مہاجرین کے لیے انعامات الہی
۶۳۱	• طوفان میں کون یاد آتا ہے	۵۸۷	• توحید ربوبیت تو حید الوہیت
۶۳۱	• اللہ تعالیٰ کے رو برو کیا ہوگا	۵۸۸	• جب عکرمہ طوفان میں گھر گئے
۶۳۲	• غیب کی پانچ باتیں	۵۹۰	• معرکہ روم و فارس کا انجام
۶۳۴	• ہر ایک کی ٹیبل اللہ جل شانہ کے ہاتھ میں ہے	۵۹۶	• کائنات کا ہر ذرہ دعوت فکرت دیتا ہے
۶۳۵	• بہترین خالق بہترین مصور و مدور	۵۹۷	• اعمال کے مطابق فیصلے
۶۳۷	• انسان اور فرشتوں کا ساتھ	۵۹۸	• خالق کل مقتدر کل ہے
۶۳۸	• ایمان دار وہی ہے جس کے اعمال تابع قرآن ہوں!	۶۰۰	• یہ رنگ یہ زبانیں اور وسیع تر کائنات
۶۴۱	• نیک و بد دونوں ایک دوسرے کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے	۶۰۱	• قیام ارض و سما
۶۴۲	• شب معراج اور نبی اکرم ﷺ	۶۰۳	• بچہ اور ماں باپ
۶۴۲	• دریائے نیل کے نام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خط	۶۰۶	• انسان کی مختلف حالتیں
۶۴۵	• نافرمان اپنی بربادی کو آپ بلا دیتا ہے	۶۰۷	• صلہ رحمی کی تاکید
۶۴۹	• تکمیل ایمان کی ضروری شرط	۶۰۸	• زمین کی اصلاح اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مضمر ہے
۶۵۱	• میثاق انبیاء	۶۰۹	• اللہ کے دین میں مستحکم ہو جاؤ
۶۵۲	• غزوہ خندق اور مسلمانوں کی خستہ حالی	۶۰۹	• مسلمان بھائی کی اعانت پر جہنم سے نجات کا وعدہ
۶۵۶	• منافقوں کا فرار	۶۱۱	• مسئلہ سماع موتی
۶۵۸	• جہاد سے منہ موڑنے والے ایمان سے خالی لوگ	۶۱۲	• پیدائش انسان کی مرحلہ وار روداد
۶۵۹	• ٹھوس دلائل اتباع رسول کو لازم قرار دیتے ہیں	۶۱۳	• واپسی ناممکن ہوگی
۶۶۲	• اللہ عزوجل کفار سے خود بچنے	۶۱۳	• نماز مقتدری اور امام کا تعلق
۶۶۳	• کفار نے عین موقع پر دھوکہ دیا	۶۱۵	• لہو و لعب موسیقی اور لغو باتیں
۶۶۸	• امہات المومنین سب سے معزز قرار دے دی گئیں	۶۱۶	• اللہ تعالیٰ کے وعدے ٹلنے نہیں

اَسْلُ مَا اَوْحٰ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۙ اِنَّ
الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۵﴾

جو کتاب تیری طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھتا رہ اور نماز کا پابند رہ یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے بے شک ذکر اللہ بہت بڑی چیز ہے تم جو کچھ کر رہے ہو
اس سے اللہ خبردار ہے ○

اخلاص خوف اور اللہ کا ذکر: ☆☆ (آیت: ۳۵) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اور ایمان داروں کو حکم دے رہا ہے کہ ”وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہیں اور اسے اوروں کو بھی سنائیں اور نمازوں کی نگہبانی کریں اور پابندی سے پڑھتے رہا کریں۔ نماز انسان کو ناشائستہ کاموں اور نالائق حرکتوں سے باز رکھتی ہے۔“ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ”جس نمازی کی نماز نے اسے گناہوں اور سیاہ کاریوں سے باز نہ رکھا، وہ اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے۔“ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ”جب رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا جسے اس کہ نماز بے جا اور فحش کاموں سے نہ روکے تو سمجھ لو کہ اس کی نماز اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوئی۔“ اور روایت میں ہے کہ ”جو نمازی بھلے کاموں میں مشغول اور برے کاموں سے بچنے والا نہ ہو سمجھ لو کہ اس کی نماز اسے اللہ سے اور دور کرتی جا رہی ہے۔“ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”جو نماز کی بات نہ مانے اس کی نماز نہیں۔“ نماز بے حیائی سے اور بد فعلیوں سے روکتی ہے اس کی اطاعت یہ ہے کہ ان بے ہودہ کاموں سے نمازی رک جائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے جب ان کی قوم نے کہا کہ اے شعیب کیا تمہیں تمہاری نماز حکم کرتی ہے؟ تو حضرت سفیان نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ”ہاں اللہ کی قسم نماز حکم بھی کرتی ہے اور منع بھی کرتی ہے۔“ حضرت عبداللہؓ سے کسی نے کہا فلاں شخص بڑی لمبی نماز پڑھتا ہے آپ نے فرمایا ”نماز اسے نفع دیتی ہے جو اس کا کہا مانے۔“ میری تحقیق میں اوپر جو مرفوع روایت بیان ہوئی۔ اس کا بھی موقوف ہونا ہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے کہا ”حضور فلاں شخص نماز پڑھتا ہے لیکن چوری نہیں چھوڑتا۔ آپ نے فرمایا“ عنقریب اس کی نماز اس کی یہ برائی چھڑا دے گی۔ چونکہ نماز ذکر اللہ کا نام ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا اللہ کی یاد بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں سے اور تمہارے کل کاموں سے باخبر ہے۔ حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”نماز میں تین چیزیں ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو نماز نماز نہیں۔ اخلاص و خلوص، خوف الہی اور ذکر الہی۔ اخلاص سے تو انسان نیک ہو جاتا ہے اور خوف الہی سے انسان گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے اور ذکر الہی یعنی قرآن اسے بھلائی برائی بتا دیتا ہے وہ حکم بھی کرتا ہے اور منع بھی کرتا ہے۔“ ابن عون انصاری فرماتے ہیں ”جب تو نماز میں ہو تو نیکی میں ہے اور نماز تجھے فحش اور منکر سے بچائے ہوئے ہے اور اس میں جو کچھ تو ذکر اللہ کر رہا ہے وہ تیرے لئے بڑے ہی فائدے کی چیز ہے۔“ حماد کا قول ہے کہ ”کم سے کم حالت نماز میں تو تو برائیوں سے بچا رہے گا۔“ ایک راوی سے ابن عباسؓ کا یہ قول مروی ہے کہ ”جو بندہ یاد الہی کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے۔“ اس نے کہا ہمارے ہاں جو صاحب ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب تم اللہ کا ذکر کرو گے تو وہ تمہاری یاد کرے گا اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَادْكُرُونِيْٓ اَذْكُرْكُمْ تَمِیْرِیْ یَا دُرْکُوْا مِیْرِیْ یَا دُرْکُوْا مِیْرِیْ

کروں گا۔ اسے سن کر آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا یعنی دونوں مطلب درست ہیں۔ یہ بھی اور وہ بھی اور خود حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ تفسیر مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن ربیعہؓ سے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے دریافت فرمایا کہ اس جیلے کا مطلب جانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں اس سے مراد نماز میں سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر وغیرہ کہنا ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے عجیب بات کہی۔ یہ یوں نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حکم کے اور منع کے وقت اللہ کا تمہیں یاد کرنا تمہارے ذکر اللہ سے بہت بڑا اور بہت اہم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور اسی کو امام ابن جریرؒ پسند فرماتے ہیں۔

وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْكُمُ وَالْمَنَا وَالْهَكُمُ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۶﴾

اہل کتاب کے ساتھ بہت مہذب طریقے سے مناظرے کرو مگر ان کے ساتھ جو ان میں سے بے انصاف ہیں اور صاف اعلان کر دیا کرو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر نازل ہوئی ہے۔ ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں ○

غیر مسلموں کو دلائل سے قائل کرو: ☆ ☆ (آیت: ۲۶) حضرت قتادہؓ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ یہ آیت جہاد کے حکم کی آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ اب تو یہی ہے کہ یا تو اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں یا لڑائی لڑیں۔ لیکن اور بزرگ مفسرین کا قول ہے کہ یہ حکم باقی ہے۔ جو یہودی یا نصرانی دینی امور کو سمجھنا چاہے اسے مہذب طریقے سے سلجھے ہوئے پیرائے سے سمجھا دینا چاہیے۔ کیا عجب کہ وہ راہ راست اختیار کرے۔ جیسے اور آیت میں عام حکم موجود ہے اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ الخ اپنے رب کی راہ کی دعوت حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ لوگوں کو دو۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؓ کو جب فرعون کی طرف بھیجا جاتا ہے تو فرمان ہوتا ہے کہ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيْنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَحْشَىٰ یعنی اس سے نرمی سے گفتگو کرنا۔ کیا عجب کہ وہ نصیحت قبول کر لے اور اس کا دل پکھل جائے۔ یہی قول حضرت امام ابن جریرؒ کا پسندیدہ ہے اور حضرت ابن زید سے بھی یہی مروی ہے۔ ہاں ان میں سے جو ظلم پر اڑ جائیں اور ضد اور تعصب برتیں حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیں پھر مناظرے مباحثے بے سود ہیں۔ پھر تو جدال و قتال کا حکم ہے۔ جیسے جناب باری عز اسمہ کا ارشاد ہے لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ الخ ہم نے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب و میزان نازل فرمائی تاکہ لوگوں میں عدل و انصاف کا قیام ہو سکے اور ہم نے لوہا بھی نازل فرمایا ہے جس میں سخت لڑائی ہے۔

پس حکم الہی یہ ہے کہ بھلائی سے اور نرمی سے جو نہ مانے اس پر پھر سختی کی جائے۔ جوڑے اسی سے لڑا جائے ہاں یہ اور بات ہے کہ ماتحتی میں رہ کر جزیہ ادا کرے۔ پھر فرماتا ہے کہ جس کے کھرے کھوٹے ہونے کا تمہیں یقینی علم نہ ہو تو اس کی تکذیب کی طرف قدم نہ بڑھاؤ اور نہ بے تامل تصدیق کر دیا کرو۔ ممکن ہے کسی امر حق کو تم جھٹلاؤ اور ممکن ہے کسی باطل کی تم تصدیق کر بیٹھو۔ پس شرط یہ تصدیق کرو یعنی کہہ دو کہ ہمارا اللہ کی ہر بات پر ایمان ہے۔ اگر تمہاری پیش کردہ چیز اللہ کی نازل کردہ ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور اگر تم نے تبدیل و تحریف کر دی ہے تو ہم اسے نہیں مانتے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اہل کتاب توراۃ کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور ہمارے سامنے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہ تم انہیں سچا کہو نہ جھوٹا بلکہ تم آمنا بالذی سے آخر آیت تک پڑھ دیا کرو۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی آیا اور کہنے لگا کیا یہ جنازے بولتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی کو علم ہے۔ اس نے کہا میں جانتا ہوں۔ یہ یقیناً بولتے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ یہ اہل کتاب جب تم سے کوئی بات بیان کریں تو تم نہ ان کی تصدیق کرو نہ جھٹلاؤ بلکہ کہہ دو کہ ہمارا اللہ پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان ہے۔ یہ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو تم کسی جھوٹ کو سچا کہہ دو یا کسی سچ کو جھوٹ بتا دو۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ اہل کتاب کی اکثر و بیشتر باتیں تو غلط اور جھوٹ ہی ہوتی ہیں۔ عموماً بہتان و افتراء ہوتا ہے۔ ان میں تحریف و تبدل، تغیر و تاویل رواج پانچکی ہے اور صداقت ایسی رہ گئی ہے کہ گویا کچھ بھی نہیں۔ پھر ایک بات اور بھی ہے کہ بالفرض سچ بھی ہو تو ہمیں کیا فائدہ؟ ہمارے پاس تو اللہ کی تازہ اور کامل کتاب موجود ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں اہل کتاب سے تم کچھ بھی نہ پوچھو۔ وہ خود جبکہ گمراہ ہیں تو تمہاری تصحیح کیا کریں گے؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی کسی سچی بات کو تم جھوٹا کہہ دو۔ یا ان کی کسی جھوٹی بات کو تم سچ کہہ دو۔ یاد رکھو ہر اہل کتاب کے دل میں اپنے دین کا ایک تعصب ہے۔ جیسے مال کی خواہش ہے (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تم اہل کتاب سے سوالات کیوں کرتے ہو؟ تم پر تو اللہ کی طرف سے ابھی ابھی کتاب نازل ہوئی ہے جو بالکل خالص ہے جس میں باطل نہ ملا جلا نہ مل سکے۔ تم سے تو خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب نے اللہ کے دین کو بدل ڈالا۔ اللہ کی کتاب میں تغیر کر دیا اور اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو اللہ کی کتاب کہنے لگے اور دنیوی نفع حاصل کرنے لگے۔ کیوں بھلا تمہارے پاس جو علم اللہ ہے کیا وہ تمہیں کافی نہیں کہ تم ان سے دریافت کرو۔ دیکھو تو کس قدر تم سے کہ ان میں سے تو ایک بھی تم سے کبھی کچھ نہ پوچھے اور تم ان سے دریافت کرتے پھر؟ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینے میں قریش کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا کہ دیکھو ان تمام اہل کتاب میں اور ان کی باتیں بیان کرنے والوں میں سب سے اچھے اور سچے حضرت کعب احبارؓ ہیں لیکن باوجود اس کے بھی ان کی باتوں میں بھی ہم کبھی کبھی جھوٹ پاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عمدہ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ جن کتابوں پر انہیں اعتماد ہے وہ خود گیلی سوکھی سب جمع کر لیتے ہیں۔ ان میں خود سچ جھوٹ، صحیح غلط بھرا پڑا ہے ان میں مضبوط ذی علم حافظوں کی جماعت تھی ہی نہیں۔ یہ تو اسی امت مرحومہ پر اللہ کا فضل ہے کہ اس میں بہترین دل و دماغ والے اور اعلیٰ فہم و ذکا والے اور عمدہ حفظ و اتقان والے لوگ اللہ نے پیدا کر دیے ہیں لیکن پھر بھی آپ دیکھئے کہ کس قدر موضوعات کا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے اور کس طرح لوگوں نے باتیں گھڑ لی ہیں۔ گو محدثین نے اس باطل کو حق سے بالکل جدا کر دیا، فالحمد للہ۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ
يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا يَجْحَدُ
بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ﴿٥٧﴾

ہم نے اسی طرح تیری طرف اپنی کتاب نازل فرمائی ہے پس جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے بھی بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں ○

حق تلاوت: ☆ ☆ (آیت: ۴۷) فرمان ہے کہ جیسے ہم نے اگلے انبیاء پر اپنی کتابیں نازل فرمائی تھیں اسی طرح یہ کتاب یعنی قرآن شریف ہم نے اے ہمارے آخری رسولؐ تم پر نازل فرمایا ہے۔ پس اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ہماری کتاب کی قدر کی اور اس کی تلاوت کا حق ادا کیا وہ جہاں اپنی کتابوں پر ایمان لائے اس پاک کتاب کو بھی مانتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور

جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ۔ اور ان لوگوں یعنی قریش وغیرہ میں سے بھی بعض لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ہاں جو لوگ باطل سے حق کو چھپانے والے اور سورج کی روشنی سے آنکھیں بند کرنے والے ہیں وہ تو اس کے بھی منکر ہیں۔

وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكُمْ
إِذَا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۳۹﴾ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي ضُدُورِ
الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۴۰﴾

اس سے پہلے تو کوئی کتاب پڑھتا نہ تھا اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا کہ یہ باطل پرست لوگ شک شبہ میں پڑتے ○ بلکہ یہ قرآن تو روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ ہماری آیتوں کا منکر بجز ستم گردوں کے اور کوئی نہیں ○

(آیت: ۳۸-۳۹) پھر فرماتا ہے اے نبی تم ان میں مدت العمر تک رہ چکے ہو اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ان میں گزار چکے ہو انہیں خوب معلوم ہے کہ آپ پڑھ لکھے نہیں۔ ساری قوم اور سارا ملک بخوبی علم رکھتا ہے کہ آپ محض امی ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ پڑھنا۔ پھر آج جو آپ ایک انوکھی فصیح و بلیغ اور پراز حکمت کتاب پڑھتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ آپ اس حالت میں کہ ایک حرف پڑھے ہوئے نہیں خود تصنیف و تالیف کر نہیں سکتے۔ حضور کی یہی صفت اگلی کتابوں میں تھی جیسے قرآن ناقل ہے۔ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ اِلٰہ یعنی جو لوگ پیروی کرتے ہیں اس رسول نبی امی کی جس کی صفات وہ اپنی کتاب توراۃ و انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں جو انہیں نیکیوں کا حکم کرتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اللہ کے معصوم نبی ہمیشہ لکھنے سے دور ہی رکھے گئے۔ ایک سطر کیا معنی ایک حرف بھی لکھنا آپ کو نہ آتا تھا۔ آپ نے کاتب مقرر کر لئے تھے جو وحی اللہ کو لکھ لیتے تھے اور ضرورت کے وقت شاہان دنیا سے خط و کتابت بھی وہی کرتے تھے۔ پچھلے فقہاء میں سے قاضی ابوالولید باجی وغیرہ نے کہا کہ حدیبیہ والے دن خود رسول کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یہ جملہ صلح نامے میں لکھا تھا کہ هَذَا مَا قَاضِي عَلَيْهِ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ یعنی یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبد اللہ نے فیصلہ کیا۔ لیکن یہ قول درست نہیں۔ یہ وہم قاضی صاحب کو بخاری شریف کی اس روایت سے ہوا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ثُمَّ أَخَذَ فَكُتِبَ یعنی پھر حضور نے آپ لے کر لکھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا۔ جیسے دوسری روایت میں صاف موجود ہے کہ ثُمَّ أَمَرَ فَكُتِبَ یعنی آپ نے پھر حکم دیا اور لکھا گیا۔ مشرق و مغرب کے تمام علماء کا یہی مذہب ہے بلکہ باجی وغیرہ پر انہوں نے اس قول کا بہت سخت رد کیا ہے اور اس سے بیزاری ظاہر کی ہے اور اس قول کی تردید اپنے اشعار اور خطبوں میں بھی کی ہے۔ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ قاضی صاحب وغیرہ کا یہ خیال ہرگز نہیں کہ آپ اچھی طرح لکھنا جانتے تھے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ آپ کا یہ جملہ صلح نامے پر لکھ لینا آپ کا ایک معجزہ تھا۔ جیسے کہ حضور کا فرمان ہے کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کا فر لکھا ہوا ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ کف لکھا ہوا ہوگا۔ جسے ہر مومن پڑھ لے گا یعنی اگر چہ ان پڑھ ہو تب بھی اسے پڑھ لے گا۔ یہ مومن کی ایک کرامت ہوگی اسی طرح یہ فقرہ لکھ لینا اللہ کے نبی کا ایک معجزہ تھا یہ اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ آپ لکھنا جانتے تھے یا آپ نے سیکھا تھا۔ بعض لوگ ایک روایت پیش کرتے ہیں جس میں ہے کہ آنحضور کا انتقال نہ ہوا جب تک کہ آپ نے لکھنا نہ سیکھ لیا یہ روایت بالکل ضعیف ہے بلکہ محض بے اصل ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت کو دیکھئے کس قدر تاکید کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پڑھا ہوا ہونے کا انکار کرتی اور کتنی سختی کے ساتھ

وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝۵۱

کہتے ہیں اس پر کچھ نشانات اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے تو کہہ دے کہ نشانات تو سب اللہ کے پاس ہیں میری حیثیت تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والے کی ہے ○ کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل فرمادی جو ان پر پڑھی جا رہی ہے اس میں رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایماندار ہیں ○ کہہ دے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا عالم ہے۔ جو لوگ باطل کے ماننے والے اور اللہ سے کفر کرنے والے ہیں وہ زبردست نقصان اور گھائے میں ہیں ○

محاسن کلام کا بے مثال جمال قرآن حکیم: ☆ ☆ (آیت: ۵۰-۵۲) کافروں کی ضد، تکبر اور ہٹ دھرمی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسولؐ سے ایسی ہی نشانی طلب کی جیسی کہ حضرت صالحؑ سے ان کی قوم نے مانگی تھی۔ پھر اپنے نبی کو حکم دیتا ہے انہیں جواب دیجئے کہ آیتیں، معجزے اور نشانات دکھانا میرے بس کی بات نہیں، یہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ اگر اس نے تمہاری نیک نیتیں معلوم کر لیں تو وہ معجزہ دکھائے گا اور اگر تم اپنی ضد اور انکار سے بڑھ کر باتیں ہی بنا رہے ہو تو وہ اللہ تم سے دبا ہو انہیں کہ اس کی چاہت تمہاری چاہت کے تابع ہو جائے۔ تم جو مانگو وہ کر ہی دکھائے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے کہ آیتیں بھیجئے سے ہمیں کوئی مانع نہیں سوائے اس کے کہ گذشتہ لوگ بھی برابر انکار ہی کرتے رہے۔ قوم ثمود کو دیکھو ہماری نشانی اونی جو ان کے پاس آئی انہوں نے اس پر ظلم ڈھایا۔ کہہ دو کہ میں تو صرف ایک مبلغ ہوں، پیغامبر ہوں، قاصد ہوں، میرا کام تمہارے کانوں تک آواز الہی کو پہنچا دینا ہے، میں نے تو تمہیں تمہارا برا بھلا سمجھا دیا، نیک بد سمجھا دیا، اب تم جانتو تمہارا کام جانے۔ ہدایت و ضلالت اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ اگر کسی کو گمراہ کر دے تو اس کی رہبری کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ایک اور جگہ ہے، تجھ پر ان کی ہدایت کا ذمہ نہیں۔ یہ اللہ کا کام ہے اور اس کی چاہت پر موقوف ہے۔ بھلا اس فضول کوئی کو تو دیکھو کہ کتاب عزیز ان کے پاس آ چکی جس کے پاس کسی طرف سے باطل پہنچ نہیں سکتا اور انہیں اب تک نشان کی طلب ہے۔ حالانکہ یہ تو تمام معجزات سے بڑھ کر معجزہ ہے۔ تمام دنیا کے فصیح و بلیغ اس کے معارضہ سے اور اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے۔ پورے قرآن کا تو معارضہ کیا کرتے، دس سورتوں کا بلکہ ایک سورت کا معارضہ بھی چیلنج کے باوجود نہ کر سکے۔ تو کیا اتنا بڑا اور اتنا بھاری معجزہ انہیں کافی نہیں اور معجزہ طلب کرنے بیٹھے ہیں۔ یہ تو وہ پاک کتاب ہے جس میں گذشتہ باتوں کی خبر ہے اور ہونے والی باتوں کی پیش گوئی ہے اور جھگڑوں کا فیصلہ ہے اور یہ اس کی زبان سے پڑھی جاتی ہے جو محض امی ہے۔ جس نے کسی سے الف با بھی نہیں پڑھا، جو ایک حرف لکھنا نہیں جانتا بلکہ اہل علم کی صحبت میں بھی کبھی نہیں بیٹھا۔ اور وہ کتاب پڑھتا ہے جس سے گزشتہ کتابوں کی بھی صحت و عدم صحت معلوم ہوتی ہے۔ جس کے الفاظ میں حلاوت، جس کی نظم میں ملاحصت، جس کے انداز میں فصاحت، جس کے بیان میں بلاغت، جس کا طرز دلربا، جس کا سیاق دلچسپ، جس میں دنیا بھر کی خوبیاں موجود۔ خود بنی اسرائیل کے علماء بھی اس کی تصدیق پر مجبور۔ اگلی کتابیں جس پر شاہد۔ بھلے لوگ جس کے مداح اور قائل و عامل۔ اس اتنے بڑے معجزے کی موجودگی میں کسی اور معجزہ کی طلب محض بدینتی اور گریز ہے۔ پھر فرماتا ہے اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت و نصیحت ہے۔ یہ قرآن حق کو ظاہر کرنے والا باطل کو برباد کرنے والا ہے۔ گزشتہ لوگوں کے واقعات تمہارے سامنے رکھ کر تمہیں نصیحت و عبرت کا موقع دیتا ہے، گنہگاروں کا انجام دکھا کر تمہیں گناہوں سے روکتا ہے۔ کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور اس کی گواہی کافی ہے۔ وہ تمہاری تکذیب و سرکشی کو اور میری سچائی و خیر خواہی کو بخوبی جانتا ہے۔ اگر میں اس پر جھوٹ باندھتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لے لیتا۔ وہ ایسے لوگوں کو بغیر انتقام نہیں

چھوڑتا۔ جیسے خود اس کا فرمان ہے کہ اگر یہ رسول مجھ پر ایک بات بھی گھڑ لیتا تو میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ جان کاٹ دیتا اور کوئی نہ ہوتا جو اسے میرے ہاتھ سے چھڑا سکے۔ چونکہ اس پر میری سچائی روشن ہے اور میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں اور اس کا نام لے کر اس کی کبھی ہوئی تم سے کہتا ہوں اس لئے وہ میری تائید کرتا ہے اور مجھے روز بروز غلبہ دیتا ہے اور مجھ سے معجزات پر معجزات ظاہر کرتا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے غیب کا جاننے والا ہے اس پر ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔ باطل کو ماننے والے اور اللہ کو نہ ماننے والے ہی نقصان یافتہ اور ذلیل ہیں قیامت کے دن انہیں ان کی بد اعمالی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور جو سرکشیاں دنیا میں کی ہیں سب کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ بھلا اللہ کو نہ ماننا اور بتوں کو ماننا اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا؟ وہ عظیم و حکیم اللہ اس کا بدلہ دیئے بغیر ہرگز نہ رہے گا۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ
وَلَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۵۴ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ
وَأَنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝۵۵ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۵۶

یہ لوگ تجھ سے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں اگر میری طرف سے مقرر کیا ہوا وقت نہ ہوتا تو ابھی ان کے پاس عذاب آچلتے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اچانک ان کی بے خبری میں ان کے پاس عذاب آ پہنچیں گے ○ یہ عذابوں کی جلدی چار ہے ہیں تسلی رکھیں جہنم کا فردوس کو گھیر لینے والی ہے ○ اس دن ان کے اوپر تلے سے انہیں عذاب ڈھانپ رہے ہوں گے اور ہم کہہ رہے ہوں گے کہ اب اپنے بد اعمال کا مزہ چکھو ○

موت کے بعد کفار کو عذاب اور مومنوں کو جنت: ☆☆ (آیت: ۵۳-۵۵) مشرکوں کا اپنی جہالت سے عذاب الہی طلب کرنا یا انہیں ہو رہا ہے۔ یہ اللہ کے نبی سے بھی یہی کہتے تھے اور خود اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعائیں کرتے تھے کہ جناب باری اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا نہیں اور کوئی دردناک عذاب کر۔ یہاں انہیں جواب ملتا ہے کہ رب العالمین یہ بات مقرر کر چکا ہے کہ ان کفار کو قیامت کے دن عذاب ہوں گے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ان کے مانگتے ہی عذاب کے مہیب بادل ان پر برس پڑتے۔ اب بھی یہ یقین مائیں کہ یہ عذاب آئیں گے اور ضرور آئیں گے بلکہ ان کی بے خبری میں اچانک اور یک بیک آ پڑیں گے۔ یہ عذاب کی جلدی چار ہے ہیں اور جہنم بھی انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ یعنی یقیناً انہیں عذاب ہوگا۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ جہنم یہی بحر اخضر ہے۔ ستارے اسی میں جھڑیں گے اور سورج چاند اسی میں بے نور کر کے ڈال دیئے جائیں گے اور یہ بھڑک اٹھے گا اور جہنم بن جائے گا۔ مسند احمد میں مرفوع حدیث ہے کہ سمندر ہی جہنم ہے۔ راوی حدیث حضرت یعلیٰ سے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نَارًا أَحَاطَ بِهِنَّ سُرَادِقُهَا یعنی وہ آگ جسے قاتیں گھیرے ہوئے ہیں تو فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں یعلیٰ کی جان ہے کہ میں اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گا جب تک کہ اللہ کے سامنے پیش نہ کیا جاؤں اور مجھے اس کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچے گا یہاں کہ میں اللہ کے سامنے پیش کیا جاؤں۔ یہ تفسیر بھی بہت غریب ہے اور یہ حدیث بھی بہت ہی غریب ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ اس دن انہیں نیچے سے آگ ڈھانک لے گی۔ جیسے اور آیت میں ہے لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ان کے لئے جہنم ہی اوڑھنا کچھونا ہے۔ اور آیت میں ہے لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ یعنی ان کے اوپر نیچے آگ ہی کا فرش و سائبان ہوگا۔ اور مقام پر ارشاد ہے لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكْفُفُونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا

عَنْ ظُهُورِهِمْ اِلٰحَ یعنی کاش کہ کافراں سے وقت کو جان لیں جبکہ نہ یہ اپنے آگے سے آگ کو ہٹا سکیں گے نہ پیچھے سے۔ ان آیتوں سے معلوم ہو گیا کہ ہر طرف سے ان کفار کو آگ کھا رہی ہوگی۔ آگ سے پیچھے سے اوپر سے نیچے سے دائیں سے بائیں سے۔ اس پر اللہ عالم کی ڈانٹ ڈپٹ اور مصیبت ہوگی، ادھر ہر وقت کہا جائے گا، لو اب عذاب کے مزے چکھو! پس ایک تو وہ ظاہری جسمانی عذاب، دوسرا یہ باطنی روحانی عذاب۔ اسی کا ذکر آیت یَوْمَ يُسْحَبُونَ اِلٰحَ اور آیت یَوْمَ يَدْغُونَ اِلٰحَ میں ہے یعنی جبکہ جہنم میں اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو اب آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ جس دن انہیں دھکے دے دے کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا یہ وہ جہنم ہے جسے تم جھٹلاتے رہے۔ اب بتاؤ! یہ جادو ہے تم اندھے ہو؟ جادو اب جہنم میں چلے جاؤ۔ اب تمہارا صبر کرنا یا نہ کرنا یکساں ہے۔ تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ ضرور بھگتنا ہے۔

لِيعْبَادِيَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةً فَاٰيَايَ فَاَعْبُدُوْنَ ﴿۵۷﴾
 كُلُّ نَفْسٍ ذٰلِقَةٌ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ
 اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرٰی
 مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعَمَلِيْنَ ﴿۵۹﴾

اے میرے ایماندار بندو! میری زمین کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرتے رہو ○ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے انہیں ہم قطعاً جنت کے ان بلند بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے جتنے بہرے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے ○

مہاجرین کے لئے انعامات الہی: ☆ ☆ (آیت: ۵۶-۵۸) اللہ تبارک و تعالیٰ اس آیت میں ایمان والوں کو ہجرت کا حکم دیتا ہے کہ جہاں وہ دین کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں وہاں سے اس جگہ چلے جائیں جہاں ان کے دین میں انہیں آزادی رہے۔ اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے جہاں وہ فرمان الہی کے ماتحت اللہ کی عبادت و توحید بجالا سکیں وہاں چلے جائیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمام شہر اللہ کے شہر ہیں اور کل بندے اللہ کے غلام ہیں۔ جہاں تو بھلائی پاسکتا ہو وہیں قیام کر۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ پر جب مکہ شریف کی رہائش مشکل ہو گئی تو وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تاکہ امن و امان کے ساتھ اللہ کے دین پر قیام کر سکیں۔ وہاں کے سمجھدار دیندار بادشاہ اصمہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی پوری تائید و نصرت کی اور وہاں وہ بہت عزت اور خوشی سے رہے۔ پھر اس کے بعد باجائز الہی دوسرے صحابہؓ نے اور خود آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ بعد ازاں فرماتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک مرنے والا اور میرے سامنے حاضر ہونے والا ہے۔ تم خواہ کہیں ہو، موت کے پنجے سے نجات نہیں پاسکتے پس تمہیں زندگی بھر اللہ کی اطاعت میں اور اس کے راضی کرنے میں رہنا چاہیے تاکہ مرنے کے بعد اللہ کے ہاں جا کر عذاب میں نہ پھنسو۔ ایمان دار نیک اعمال لوگوں کو اللہ تعالیٰ جنت عدن کی بلند بالا منزلوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ کہیں صاف شفاف پانی کی، کہیں شراب طہور کی، کہیں شہد کی، کہیں دودھ کی۔ یہ چشمے خود بہ خود جہاں جنتی چاہیں، بہنے لگیں گے۔ یہ وہاں ہمیشہ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ ہٹائے جائیں گے نہ وہ نعمتیں ختم ہوں گی نہ ان میں گھانا آئے گا۔ مومنوں کے نیک اعمال پر جنتی بالا خانے انہیں مبارک ہوں۔ جنہوں نے اپنے سچے دین پر صبر کیا اور اللہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے دشمنوں کو ترک کیا، اپنے اقربا اور اپنے گھر والوں کو راہ اللہ میں چھوڑا، اس کی نعمتوں اور اس کے انعامات کی امید پر دنیا کے عیش و عشرت پر

لات ماردی - ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا باطن ظاہر سے نظر آتا ہے - اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بنائے ہیں جو کھانا کھلائیں، خوش کلام، نرم گو ہوں - روزے نماز کے پابند ہوں اور راتوں کو جبکہ لوگ سوتے ہوئے ہوں یہ نمازیں پڑھتے ہوں اور اپنے کل احوال میں دینی ہوں یا دنیوی اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہوں -

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۵۹﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۗ اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۰﴾

جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں - بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے - وہ بڑا ہی سننے جاننے والا ہے ○

(آیت ۵۹-۶۰) پھر فرمایا کہ رزق کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اللہ کا تقسیم کیا ہوا رزق عام ہے اور ہر جگہ جو جہاں ہو اسے وہ وہیں پہنچ جاتا ہے - مہاجرین کے رزق میں ہجرت کے بعد اللہ نے وہ برکتیں دیں کہ یہ دنیا کے کناروں کے مالک ہو گئے اور بادشاہ بن گئے - فرمایا کہ بہت سے جانور ہیں جو اپنے رزق کے جمع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے - اللہ کے ذمے ان کی روزیاں ہیں - پروردگار انہیں ان کے رزق پہنچا دیتا ہے - تمہارا رازق بھی وہی ہے - وہ کسی مخلوق کو کسی حالت میں کسی وقت نہیں بھولتا - چوہنیوں کو ان کے سوراخوں میں پرندوں کو آسمان وزمین کے خلا میں، مچھلیوں کو پانی میں وہی رزق پہنچاتا ہے - جیسے فرمایا وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا لِيَعْلَمَ لَهَا رِزْقَهَا ۚ وَالرِّزْقُ لِلَّهِ ۚ إِنَّهُ عَالِمُ الْغُيُوبِ ﴿۶۱﴾ یعنی کوئی جانور روئے زمین پر ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو وہی ان کے ٹھہرنے اور رہنے سہنے کی جگہ کو بخوبی جانتا ہے - یہ سب اس کی روشن کتاب میں موجود ہے - ابن ابی حاتم میں ہے ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلا آپ مدینے کے باغات میں سے ایک باغ میں گئے اور گری پڑی ردی کھجوریں کھول کھول کر صاف کر کے کھانے لگے - مجھ سے بھی کھانے کو فرمایا - میں نے کہا حضور مجھ سے تو یہ ردی کھجوریں نہیں کھائی جائیں گی - آپ نے فرمایا لیکن مجھے تو یہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں اس لئے کہ چوتھے دن کی صبح ہے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا اور نہ کھانے کی وجہ یہ ہے کہ ملا ہی نہیں - سنو اگر میں چاہتا تو اللہ سے دعا کرتا اور اللہ تعالیٰ مجھے قیصر و کسریٰ کا ملک دے دیتا - اے ابن عمر تیرا کیا حال ہوگا جبکہ تو ایسے لوگوں میں ہوگا جو سال سال بھر کے غلے وغیرہ جمع کر لیا کریں گے اور ان کا یقین اور توکل بالکل بودا ہو جائے گا - ہم ابھی تو وہیں اسی حالت میں تھے جو آیت وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ نَّاسُوا رِزْقَ اللَّهِ ﴿۶۲﴾ نے فرمایا اللہ عزوجل نے مجھے دنیا کے خزانے جمع کرنے کا اور خواہشوں کے پیچھے لگ جانے کا حکم نہیں کیا - جو شخص دنیا کے خزانے جمع کرے اور اس سے باقی والی زندگی چاہے وہ سمجھ لے کہ باقی رہنے والی حیات تو اللہ کے ہاتھ ہے - دیکھو میں تو نہ دینار و درہم جمع کروں نہ کل کے لئے آج روزی کا ذخیرہ جمع کر رکھوں - یہ حدیث غریب ہے اور اس کا راوی ابو العطف جزی ضعیف ہے - یہ مشہور ہے کہ کوئے کے بچے جب نکلتے ہیں تو ان کے پروبال سفید ہوتے ہیں - یہ دیکھ کر کو اناں سے نفرت کر کے بھاگ جاتا ہے - کچھ دنوں کے بعد ان پروں کی رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے تب ان کے ماں باپ آتے ہیں اور انہیں دانہ وغیرہ کھلاتے ہیں - ابتدائی ایام میں جبکہ ماں باپ ان چھوٹے بچوں سے متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور ان کے پاس بھی نہیں آتے اس وقت اللہ تعالیٰ چھوٹے چھوٹے چھمران کے پاس بھیج دیتا ہے - وہی ان کی غذا بن جاتے ہیں - عرب کے شعراء نے اسے نظم بھی کیا ہے - حضور کا فرمان ہے کہ سفر کو تاکہ صحت اور روزی پاؤ - اور حدیث میں ہے ”سفر کو تاکہ صحت و غنیمت ملے“ اور حدیث میں ہے ”سفر کرو نفع اٹھاؤ گے“ روزے رکھو تندرست رہو گے جہاد کرو غنیمت ملے گی“ - ایک اور روایت میں ہے جد والوں اور آسانی والوں کے ساتھ سفر کرو -

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سننے والا اور ان کی حرکات و سکنات کو جاننے والا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۱۱﴾
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللَّهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۲﴾

اگر تو ان سے دریافت کرے کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج چاند کو کام لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ پھر کدھر لائے جا رہے ہیں ○ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے ○

توحید ربوبیت، توحید الوہیت: ☆ ☆ (آیت: ۶۱-۶۳) اللہ تعالیٰ ثابت کرتا ہے کہ معبود برحق صرف وہی ہے۔ خود مشرکین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا سورج چاند کو مخر کرنے والا دن رات کو پے در پے لانے والا خالق رازقی موت و حیات پر قادر صرف اللہ ہی ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ غنا کے لائق کون ہے اور فقر کے لائق کون ہے؟ اپنے بندوں کی مصیحتیں اس کو پوری طرح معلوم ہیں۔ پس جبکہ مشرکین خود مانتے ہیں کہ تمام چیزوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے سب پر قابض صرف وہی ہے پھر اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ اور اس کے سوا دوسروں پر توکل کیوں کرتے ہیں؟ جبکہ ملک کا مالک وہ تھا ہے تو عبادتوں کے لائق بھی وہ اکیلا ہے۔ توحید ربوبیت کو مان کر پھر توحید الوہیت سے انحراف عجیب چیز ہے۔ قرآن کریم میں توحید ربوبیت کے ساتھ ہی توحید الوہیت کا ذکر بکثرت ہے اس لئے کہ توحید ربوبیت کے قائل مشرکین مکہ تو تھے ہی انہیں قائل معقول کر کے پھر توحید الوہیت کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ مشرکین حج و عمرے میں لبیک پکارتے ہوئے بھی اللہ کے لاشریک ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ کہتے تھے لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكَكَ هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ يَعْنِي يَا اللَّهُ هُمْ حَاضِرُونَ۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک کہ جن کا مالک اور جن کے ملک کا مالک بھی تو ہی ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا
بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ
لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۳﴾ وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ
الدُّنْيَا إِلَّا لَهُمُ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ
الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ
دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّيْنَاهُمْ إِلَى الْبَرِّ
إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿۱۵﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا ۚ فَسَوْفَ
يَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

اور اگر تو ان سے سوال کرے کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دینے والا کون ہے؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ اقرار کر کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے ہاں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ○ دنیا کی یہ زندگی تو محض کھیل تماشا ہے البتہ سچی زندگی تو آخرت کا گھر ہے اگر یہ جانے ہوں ○ یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تب تو اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ اس کے لئے عبادت کو خالص کر کے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں ○ ہماری دی ہوئی نعمتوں سے مکر تے ہیں اور برستے رہیں۔ ابھی ابھی پتہ چل جائے گا ○

جب عکرمہ طوفان میں گھر گئے: ☆ ☆ (آیت: ۶۳-۶۶) دنیا کی حقارت و ذلت اس کے زوال و فنا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اسے کوئی دوام نہیں اس کا کوئی ثبات نہیں۔ یہ تو صرف لہو و لعب ہے۔ البتہ دار آخرت کی زندگی دوام و بقا کی زندگی ہے وہ زوال و فنا سے قلت و ذلت سے دور ہے۔ اگر انہیں علم ہوتا تو اس بقاء والی چیز پر اس فانی چیز کو ترجیح نہ دیتے۔ پھر فرمایا کہ مشرکین بے کسی اور بے بسی کے وقت تو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ کو ہی پکارنے لگتے ہیں۔ پھر مصیبت کے ہٹ جانے اور مشکل کے ٹل جانے کے بعد اس کے ساتھ دوسروں کا نام کیوں لیتے ہیں؟ جیسے اور جگہ ہے وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ارْجِعُوا إِلَيْنَا غُرْجًا وَبِرْجًا (آیت: ۶۵) یعنی جب سمندر میں مشکل میں پھنستے ہیں اس وقت اللہ کے سوا سب کو بھول جاتے ہیں اور جب وہاں سے نجات پا کر خشکی میں آ جاتے ہیں تو فوراً ہی منہ پھیر لیتے ہیں۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ بن ابی جہل یہاں سے بھاگ نکلا اور حبشہ جانے کے ارادے سے کشتی میں بیٹھ گیا۔ اتفاقاً سخت طوفان آیا اور کشتی ادھر ادھر ہونے لگی۔ جتنے مشرکین کشتی میں تھے سب کہنے لگے یہ موقع صرف اللہ کو پکارنے کا ہے۔ اٹھو اور خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو۔ اس وقت نجات اسی کے ہاتھ ہے۔ یہ سنتے ہی عکرمہ نے کہا سنو اللہ کی قسم اگر سمندر کی اس بلا سے سوائے اللہ کے کوئی اور نجات نہیں دے سکتا تو خشکی کی مصیبتوں کو ٹالنے والا بھی وہی ہے۔ اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر یہاں سے بچ گیا تو سیدھا جا کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا اور آپ کا کلمہ پڑھ لوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ کے رسول میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے اور مجھ پر رحم و کرم فرمائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی۔ لِيَكْفُرُوا اور لِيَتَمَتَّعُوا میں لام جو ہے اسے لام عافیت کہتے ہیں اس لئے کہ ان کا قصد دراصل یہ نہیں ہوتا اور فی الواقع ان کی طرف نظریں ڈالنے سے بات بھی یہی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی نسبت سے تو یہ لام تعلیل ہے۔ اس کی پوری تقریر ہم آیت لِيَكُونُوا لَهُمْ عَذَابٌ وَخَزَنَاتٌ مِّنْ دُونِهَا میں کر چکے ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِّنَّا وَيَتَخَفَتِ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿٦٧﴾
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾
وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٩﴾

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو باطن بنا دیا ہے حالانکہ ان کے ارد گرد سے لوگ ایک لے جاتے ہیں کیا یہ باطل پر تو یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں پر احسان نہیں مانتے؟ ○ اس سے بڑا عالم کون ہوگا؟ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افزا کرے اور جب حق اس کے پاس آ جائے وہ اسے ناحق بتلائے کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہ

ہوگا۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برواشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھادیں گے یقیناً اللہ تعالیٰ نیک کاروں کا ساتھی ہے ○

احسان کے بدلے احسان؟ ☆ ☆ (آیت: ۶۷-۶۹) اللہ تعالیٰ قریش کو اپنا احسان جتنا ہے کہ اس نے اپنے حرم میں انہیں جگہ دی۔ جو شخص اس میں آجائے امن میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے آس پاس جدال و قتل لوٹ مار ہوتی رہتی ہے اور یہاں والے امن و امان سے اپنے دن گزارتے ہیں۔ جسے سورہ لَا یَلْفِ قُرَیْشُ الخ میں بیان فرمایا تو کیا اس اتنی بڑی نعمت کا شکریہ یہی ہے کہ یہ اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کریں؟ بجائے ایمان لانے کے شرک کریں اور خود تباہ ہو کر دوسروں کو بھی اسی ہلاکت والی راہ لے چلیں۔ انہیں تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ واحد کی عبادت میں سب سے بڑھے ہوئے رہیں۔ نبی آخر الزمان کے پورے اور سچے طرفدار رہیں۔ لیکن انہوں نے اس کے برعکس اللہ کے ساتھ شرک و کفر کرنا اور نبی کو جھٹلانا اور ایذا پہنچانا شروع کر رکھا ہے۔ اپنی سرکشی میں یہاں تک بڑھ گئے کہ اللہ کے پیغمبر کو کئے سے نکال دیا۔

بلا آخر اللہ کی نعمتیں ان سے چھنی شروع ہو گئیں۔ بدر کے دن ان کے بڑے بری طرح قتل ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھوں مکہ کو فتح کیا اور انہیں ذلیل و پست کیا۔ اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ وحی آتی نہ ہو اور کہہ دے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ کی سچی وحی اور حق کو جھٹلائے اور باوجود حق پہنچنے کے تکذیب پر کمر بستہ رہے۔ ایسے مفتری اور مکذب لوگ کافر ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ راہ اللہ میں مشقت کرنے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ آپ کے اصحاب اور آپ کے تابع فرمان لوگ ہیں جو قیامت تک ہوں گے۔

فرماتا ہے کہ ہم ان کو شش اور جستجو کرنے والوں کی رہنمائی کریں گے دنیا اور دین میں ان کی رہبری کرتے رہیں گے۔ حضرت ابواحمد عباس ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں 'مرا وہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اللہ انہیں ان امور میں بھی ہدایت دیتا ہے جو ان کے علم میں نہیں ہوتے۔ ابوسلیمان دارائی سے جب یہ ذکر کیا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں کوئی بات پیدا ہو گو وہ بھلی بات ہو تاہم اسے اس پر عمل نہ کرنا چاہیے جب تک قرآن حدیث سے وہ ثابت نہ ہو جب ثابت ہو عمل کرے۔ اور اللہ کی حمد کرے کہ جو اس کے جی میں آیا تھا وہی قرآن حدیث میں بھی نکلا۔ اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرماتے ہیں 'احسان اس کا نام ہے کہ جو تیرے ساتھ بدسلوکی کرے تو اس کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ احسان کرنے والے سے احسان کرنے کا نام احسان نہیں واللہ اعلم۔

تفسیر سورۃ الروم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْمَرَّةِ غَلَبَتِ الرُّومُ ۝ فِيْ اَدْنٰی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
عَلَيْهِمْ سَيَّغْلِبُوْنَ ۝ فِيْۤ بَضْعِ سِنِيْنَ ۝ لِیْلِهِۦ الْاَمْرُ ۝ مِنْ
قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۝ وَیَوْمَیْذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

رحم و کرم کرنے والے سچے معبود کے نام سے شروع

رومی مغلوب ہو گئے ہیں۔ نزدیک کی زمین پر اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد مغرب غالب آجائیں گے ○ چند سال میں ہی اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی

اختیار اللہ ہی کا ہے اس روز مسلمان شادمان ہوں گے ○

معمر کہ روم و فارس کا انجام: ☆ ☆ (آیت: ۱-۴) یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جبکہ نیشاپور کا شاہ فارس بلا و شام اور جزیرہ کے آس پاس کے شہروں پر غالب آ گیا اور روم کا باوشاہ ہرقل شک آ کر قسطنطنیہ میں محصور ہو گیا۔ مدتوں محاصرہ رہا۔ آخر پانسہ پلٹا اور ہرقل کی فتح ہو گئی۔ مفصل بیان آگے آ رہا ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور مشرکین نے اس پر بہت خوشیاں منائیں۔ اس لئے کہ جیسے یہ بت پرست تھے ایسے ہی اہل فارس بھی ان سے ملتے جلتے تھے اور مسلمانوں کی چاہت تھی کہ رومی غالب آئیں اس لئے کہ کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا رومی عنقریب پھر غالب آ جائیں گے۔ صدیق اکبرؓ نے مشرکین کو جب یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے کہا: آؤ کچھ شرط بدلو اور مدت مقرر کر لو اگر رومی اس مدت میں غالب نہ آئیں تو تم ہمیں اتنا اتنا دینا رو دینا اور اگر تم سچے نکلے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ پانچ سال کی مدت مقرر ہوئی۔ وہ مدت پوری ہو گئی اور رومی غالب نہ آئے۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے خدمت نبویؐ میں یہ خبر پہنچائی۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے دس سال کی مدت کیوں نہ مقرر کی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں قرآن میں مدت کے لئے لفظ بضع استعمال ہوا ہے اور یہ دس سے کم پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی کہ دس سال کے اندر اندر رومی پھر غالب آ گئے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں بدر کی لڑائی کے بعد رومی بھی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ وَعَدَ اللَّهُ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَفْلُونَ ۝

اللہ کی مدد سے وہ جس کو چاہتا ہے مدد کرتا ہے اصل غالب اور مہربان وہی ہے ○ اللہ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو ہی جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں ○

حضرت عبد اللہؓ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں: وہ خان اور لزام اور بطشہ اور شق قمر کا معجزہ اور رومیوں کا غالب آنا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی شرط سات سال کی تھی۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ بضع کے کیا معنی تم میں ہوتے ہیں؟ جواب دیا کہ دس سے کم۔ فرمایا پھر جاؤ مدت میں دو سال بڑھا دو۔ چنانچہ اسی مدت کے اندر اندر رومیوں کے غالب آ جانے کی خبریں عرب میں پہنچ گئیں اور مسلمان خوشیاں منانے لگے۔ اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ مشرکوں نے حضرت صدیقؓ سے یہ آیت سن کر کہا کہ کیا تم اس میں بھی اپنے نبی کو سچا جانتے ہو؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اس پر شرط ٹھہری اور مدت گزر چکی اور رومی غالب نہ آئے۔ حضورؐ کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپؐ رنجیدہ ہوئے اور جناب صدیقؓ سے فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب ملا کہ اللہ اور رسولؐ کی سچائی پر بھروسہ کر کے۔ آپؐ نے فرمایا پھر جاؤ اور مدت دس سال مقرر کر لو خواہ چیز بھی بڑھانی پڑھے۔ آپؐ گئے۔ مشرکین نے دوبارہ یہی مدت بڑھا کر شرط منظور کر لی۔ ابھی دس سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ رومی فارس پر غالب آ گئے اور مدائن میں ان کے لشکر پہنچ گئے۔ اور رومیہ کی بنا انہوں نے ڈال

لی۔ حضرت صدیقؓ نے قریش سے شرط کا مال لیا اور حضرتؓ کے پاس آئے۔ آپؐ نے فرمایا اسے صدقہ کر دو۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ایسی شرط بدنے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس میں ہے کہ مدت چھ سال مقرر ہوئی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب ہوئے تو بہت سے مشرکین ایمان بھی لے آئے (ترمذی)۔

ایک بہت عجیب و غریب قصہ امام سعید ابن داؤد نے اپنی تفسیر میں یہ وارد کیا ہے کہ عکرمہؓ فرماتے ہیں فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان اور بادشاہ ہی ہوتے تھے۔ کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔ اب تم مشورہ دو کہ کسے سردار بناؤں؟ اس نے کہا، سنو میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے۔ دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا ہے۔ تیسرا لڑکا شہر براز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اب تم جسے چاہو سرداری دو۔ بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا۔ یہ لشکروں کو لے کر چلا۔ رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آیا۔ ان کے لشکر کاٹ ڈالے۔ ان کے شہر اجاڑ دیئے۔ ان کے باغات برباد کر دیئے۔ اس سرسبز و شاداب ملک کو ویران و غارت کر دیا۔ اور اذرعات اور صرہ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں ایک زبردست معرکہ ہوا۔ اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے۔ جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے۔ کفار قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی ان پڑھ ہیں۔ ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے۔ اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تو ہم بتلا دیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اٹھاؤ گے۔ اس پر قرآن کی یہ آیتیں اتریں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان آیتوں کو سن کر مشرکین کے پاس آئے اور فرمانے لگے اپنی اس فتح پر نہ اتراؤ۔ یہ عنقریب شکست سے بدل جائے گی اور ہمارے بھائی اہل کتاب تمہارے بھائیوں پر غالب آئیں گے۔ اس بات کا یقین کر لو اس لئے کہ یہ میری بات نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ کی یہ پیش گوئی ہے۔ یہ سن کر ابی بن خلف کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے ابو فضیل، تم جھوٹ کہتے ہو۔ آپؐ نے فرمایا، اے دشمن اللہ تو جھوٹا ہے۔ اس نے کہا، اچھا میں دس دس اونٹنیوں کی شرط بدتا ہوں۔ اگر تین سال تک رومی فارسیوں پر غالب آ گئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دوں گا ورنہ تم مجھے دینا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ شرط قبول کر لی۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے آ کر اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے کہا کہ میں نے تم سے تین سال کا نہیں کہا تھا۔ بضع کالفظ قرآن میں ہے اور وہ تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ جاؤ اونٹنیاں بھی بڑھادو اور مدت بھی بڑھادو۔ حضرت ابو بکرؓ چلے جب ابی کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا، شاید تمہیں پچھتاوا ہوا؟ آپؐ نے فرمایا، سنو میں تو پہلے سے بھی زیادہ تیار ہو کر آیا ہوں۔ آؤ مدت بھی بڑھالو اور شرط کا مال بھی زیادہ کر لو۔ چنانچہ ایک سواٹ مقرر ہوئے اور نو سال کی مدت ٹھہر گئی۔ اسی مدت میں رومی فارس پر غالب آ گئے اور مسلمان قریش پر چھا گئے۔ رومیوں کے غلبے کا واقعہ یوں ہوا کہ جب فارسی غالب آ گئے تو شہر براز کا بھائی فرخان شراب نوشی کرتے ہوئے کہنے لگا، میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر آ گیا ہوں اور فارس کا بادشاہ بن گیا ہوں۔

یہ خبر کسریٰ کو بھی پہنچ گئی۔ کسریٰ نے شہر براز کو لکھا کہ میرا یہ خط پاتے ہی اپنے اس بھائی کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بھیج دے۔ شہر براز نے جواب لکھا کہ اے بادشاہ تم اتنی جلدی نہ کرو۔ فرخان جیسا بہادر شیر اور جرات کے ساتھ دشمنوں کے جھگڑے میں گھسنے والا کسی کو تم نہ پاؤ گے۔ بادشاہ نے پھر جواب لکھا کہ اس سے بہت زیادہ بہتر اور شیر دل پہلوان میرے دربار میں ایک سے ایک بہتر موجود ہیں۔ تم اس کا غم نہ کرو اور میرے حکم کی فوراً تعمیل کرو۔ شہر براز نے پھر اس کا جواب لکھا اور دوبارہ بادشاہ کسریٰ کو سمجھایا۔ اس پر بادشاہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ شہر براز سے میں نے سرداری چھین لی اور اس کی جگہ اس کے بھائی فرخان کو اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اسی مضمون کا

ایک خط لکھ کر قاصد کے ہمراہ شہر براز کو بھیج دیا کہ تم آج سے معزول ہو اور تم اپنا عہدہ فرخان کو دے دو۔ ساتھ ہی قاصد کو ایک پوشیدہ خط اور دیا کہ شہر براز جب اپنے عہدے سے اتر جائے اور فرخان اس عہدے پر آ جائے تو تم اسے میرا یہ فرمان دے دینا۔ قاصد جب وہاں پہنچا تو شہر براز نے خط پڑھتے ہی کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم منظور ہے۔ میں بخوشی اپنا عہدہ فرخان کو دے رہا ہوں۔ چنانچہ وہ تخت سے اتر گیا اور فرخان کو قبضہ دے دیا۔ فرخان جب تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور لشکر نے اس کی اطاعت قبول کر لی تو قاصد نے وہ دوسرا خط فرخان کے سامنے پیش کیا جس میں شہر براز کے قتل کا اور اس کا سردار بارشاہی میں بھیجے کا فرمان تھا۔ فرخان نے اسے پڑھ کر شہر براز کو بلایا اور اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ شہر براز نے کہا بادشاہ جلدی نہ کر۔ مجھے وصیت تو لکھ لینے دے۔ اس نے اسے منظور کر لیا تو شہر براز نے اپنا دفتر منگوایا اور اس میں سے وہ کاغذات جو شاہ کسریٰ نے فرخان کے قتل کے لئے اسے لکھے تھے وہ سب نکالے اور فرخان کے سامنے پیش کئے اور کہا دیکھ اتنے سوال جواب میرے اور بادشاہ کے درمیان تیرے بارے میں ہوئے۔ لیکن میں نے اپنی عقلمندی سے کام لیا اور غلت نہ کی۔ تو ایک خط دیکھتے ہی میرے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ ذرا سوچ لے۔ ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ فوراً تخت سے نیچے اتر گیا اور اپنے بھائی شہر براز کو پھر سے مالک کل بنادیا۔ شہر براز نے اسی وقت شاہ روم ہر قتل کو خط لکھا کہ مجھے تم سے خفیہ ملاقات کرنی ہے اور ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے۔ اسے میں نہ تو کسی قاصد کی معرفت آپ کو کھلواسکتا ہوں نہ خط میں لکھ سکتا ہوں۔ بلکہ میں آپ ہی آئے سامنے اس کو پیش کر دوں گا۔ پچاس آدمی اپنے ساتھ لے کر خود آ جائے اور پچاس ہی میرے ساتھ ہوں گے۔

قیصر کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ اس سے ملاقات کے لئے چل پڑا۔ لیکن احتیاطاً اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے لئے۔ اور آگے آگے جاسوسوں کو بھیج دیا کہ اگر کوئی ترکیب ہو یا کوئی مکر ہو تو کھل جائے۔ جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ کوئی بات نہیں ہے اور شہر براز تنہا اپنے ساتھ صرف پچاس سواروں کو لے کر آیا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور نہیں۔ چنانچہ قیصر نے بھی مطمئن ہو کر اپنے سواروں کو لوٹا دیا اور اپنے ساتھ صرف پچاس آدمی رکھ لئے۔ جو جگہ ملاقات کی مقرر ہوئی تھی وہاں پہنچ گئے۔ وہاں ایک ریشمی قبہ تھا۔ اس میں جا کر دونوں تنہا بیٹھ گئے۔ پچاس پچاس آدمی الگ چھوڑ دیئے گئے۔ دونوں وہاں بے ہتھیار تھے۔ صرف چھریاں پاس تھیں اور دونوں کی طرف سے ایک ترجمان ساتھ تھا۔ خیمہ میں پہنچ کر شہر براز نے کہا اے شاہ روم بات یہ ہے کہ تمہارے ملک کو دیران کرنے والے اور تمہارے لشکروں کو شکست دینے والے ہم دونوں بھائی ہیں۔ ہم نے اپنی چالاکیوں اور شجاعت سے یہ ملک اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ لیکن اب ہمارا بادشاہ کسریٰ ہمارا حسد کرتا ہے اور ہمارا مخالف بن بیٹھا ہے۔ مجھے اس نے میرے بھائی کو قتل کر دینے کا فرمان بھیجا۔ میں نے فرمان کو نہ مانا تو اس نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ ہم آپ کے لشکر میں آ جائیں اور کسریٰ کے لشکروں سے آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں۔ قیصر نے یہ بات بڑی خوشی سے منظور کر لی۔ پھر ان دونوں میں آپس میں اشاروں کنایوں سے باتیں ہوئیں جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں ایسا نہ ہو کہ یہ راز ان کی وجہ سے کھل جائے کیونکہ جہاں دو کے سوا تیسرے کے کان میں کوئی بات پہنچی تو پھر وہ پھیل جاتی ہے۔ دونوں اس پر اتفاق کر کے کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی چھری سے اپنے ترجمان کا کام تمام کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کیا اور حدیبیہ والے دن اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی۔ اصحاب رسول اس سے بہت خوش ہوئے۔ یہ سیاق عجیب ہے اور یہ خبر غریب ہے۔

اب آیت کے الفاظ کے متعلق سنئے۔ حروف مقطعه جو سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں ان کی بحث تو ہم کر ہی چکے ہیں۔ سورہ بقرہ کی تفسیر کا شروع دیکھ لیجئے۔ رومی سب کے سب عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ بنو اسرائیل کے چچا زاد بھائی ہیں۔ رومیوں کو بنو اصغر بھی کہتے ہیں۔ یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے۔ یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ ترکوں کے چچا زاد بھائی ہوتے ہیں یہ ستارہ

پرست تھے۔ ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے۔ انہیں متعبرہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ دمشق کی بناء انہی کے ہاتھوں پڑی ہے۔ وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہ بنائی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد بھی تین سو سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے۔ ان میں سے جو کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا، اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے رومیوں کے بادشاہ قسطنطین بن قسطنس نے نصرانی مذہب قبول کیا۔ اس کی ماں کا نام مریم تھا۔ ہیلانا غنہ قانیہ تھی، حران کی رہنے والی۔ پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی۔ پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کر لیا۔ یہ بڑا فلسفی عقلمند اور مکار آدمی تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا۔ اس کے زمانے میں نصرانی جمع ہو گئے۔ ان میں آپس میں

مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختلاف اور مناظرے چھڑ گئے۔ عبداللہ بن ابویس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی جو بادشاہ کو دی گئی اور وہ شاہی عقیدہ تسلیم کی گئی۔ اسی کو امانت کبریٰ کہا جاتا ہے۔ جو درحقیقت خیانت صغیرہ ہے۔ یہیں فقہی کتابیں اسی کے زمانے میں لکھی گئیں۔ ان میں حلال و حرام کے مسائل بیان کئے گئے اور ان کے علماء نے دل کھول کر جو چاہا، ان میں لکھا۔ جس قدر جی میں آئی، کسی یا زیادتی اصل دین مسیح میں کی۔ اور اصل مذہب محرف و مبدل ہو گیا۔ مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے۔ بجائے ہفتہ کے اتوار کے دن کو بڑا دن بنایا۔ صلیب کی پرستش شروع ہو گئی۔ خنزیر کو حلال کر لیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب، عید قدس، عید غطاس وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان علماء کے سلسلے قائم کئے گئے۔ ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا۔ پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور محکمے ہوتے تھے۔ رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کر لی۔ کلیسا اور گرجے بہت سارے بنائے گئے اور شہر قسطنطنیہ کی بناء کھلی گئی اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا۔ اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنا دیئے۔ تین محرابوں سے بیت لحم بنا۔ اس کی ماں نے بھی قمامہ بنایا۔ ان لوگوں کو ملکیہ کہتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے۔ ان کے بعد یعقوبیہ پھر نسطوریہ۔ یہ سب نسطور کے مقلد تھے۔ پھر ان کے بہت سے گروہ تھے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ان کے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے۔ ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی۔ ایک کے بعد ایک قیصر ہونا آتا تھا۔ یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند تھا، بہت بڑا عالم تھا، دانائی، زیرکی، دوراندیشی اور دور بینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سلطنت بہت وسیع کر لی اور مملکت دور دراز تک پھیلا دی۔ اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ کھڑا ہوا اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ یہ بجوی لوگ تھے۔ آگ کو پوجتے تھے۔ مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا۔

لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ اس کے مقابلے پر گیا۔ قیصر کو شکست ہوئی یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں گھر گیا۔ نصرانی اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے کہ کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کئے پڑا رہا۔ لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کر سکا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس شہر کا نصف حصہ سمندر کی طرف تھا اور نصف خشکی سے ملا ہوا تھا۔ تو شاہ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی۔ آخر میں قیصر ایک چال چلا۔ اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے تسلی لے لیجئے اور جن شرائط پر چاہیں، مجھ سے صلح کر لیجئے۔ کسریٰ اس پر خوش ہو گیا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہیں تو جمع ہونا ناممکن تھا۔ قیصر نے اسے بھی قبول کر لیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بیوقوفی کا پتہ چلا لیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کا جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کر سکتی۔ قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت ملنی چاہیے کہ میں اپنے ملک شام میں چل پھر کر یہ دولت جمع کر لوں اور آپ کو سو نپ دوں۔ اس نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ میں ایک ضروری اور اہم کام کے لیا نے مخصوص احباب کے

ساتھ جارہا ہوں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر آ جاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کر لینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس سال تک بھی آپ واپس نہ لوٹیں تو کیا ہوا۔ یہ یہاں سے مختصری جانناز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا۔ پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور یکا یک دھاوا بول دیا چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں عوام کہاں تک مقابلہ کرتے۔ اس نے قتل عام شروع کر دیا۔ جو سامنے آیا، تلوار کے کام آیا، یونہی بوہتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی۔ وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا، انہیں بھی قتل کر دیا اور چاروں طرف سے مال جمع کیا۔ ان کی تمام عورتوں کو قید کر لیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا۔ کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کی محل سرانے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کی درباردار عورتیں وغیرہ بھی پکڑ لی گئیں۔ اس کے لشکر کا سرمنڈا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام آپ نے مانگے تھے وہ حاضر ہیں۔ جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا، کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا۔ یہ ابھی تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے پاس اس کا کل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور شہر پر بہت سخت حملہ کر دیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اب یہ نہر جیون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ قیصر کا فارس سے قسطنطنیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔

قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حملہ کیا۔ یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دیا کہ اس دہانے کے پاس چھوڑا اور خود تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کئی چارہ لید گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہا دیا۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسریٰ کے لشکر کے پاس سے گزریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گزر گیا ہے۔ یہ اس کے لشکر کے جانوروں کے آثار ہیں۔ اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا۔ اوھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے چلا گیا۔ قیصر اپنے لشکروں سمیت جیون کا وہاں عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے وار السلطنت میں پہنچا، نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ نہ پائے باندن نہ جائے رفتن نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا۔ رومی غالب آ گئے۔ فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آئے۔ یہ کل امور نو سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آ گئے۔ اذرعات اور بصری کے معرکے میں اہل فارس غالب آ گئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا۔ یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے۔ واللہ علم۔ پھر نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو تک ہوتا ہے۔ اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ تمہیں احتیاطاً دس سال تک رکھنے چاہئیں تھے کیونکہ بضع کے لفظ کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے۔ اس کے بعد قبل اور بعد پر پیش اضافت کے ہٹا دینے کی وجہ ہے۔ یعنی اس سے پہلے اور اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جبکہ روم فارس پر غالب آ جائے گا، مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی والے دن رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔ ابن عباسؓ سدئ ثورئ اور ابو سعیدؓ یہی فرماتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ والے سال ہوا تھا۔ عکرمہؓ زہری اور قتادہؓ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ قیصر روم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکریہ میں پایادہ بیت المقدس تک جائے گا چنانچہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔ یہ یہیں تھا اور اس کے پاس

رسول کریم ﷺ کا نام مبارک پہنچا جو آپ نے حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت بصری کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا۔ ہرقل نے نامہ نبی پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلوایا۔ ان میں ابوسفیان صحر بن حرب اموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے۔ اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر پوچھا کہ تم میں سے اس کا قریبی رشتہ دار کون ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں ہوں۔ بادشاہ نے انہیں آگے بٹھالیا اور ان کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھادیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا اگر یہ کسی بات کا غلط جواب دے تو تم اسے جھٹلا دینا۔ ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ذرہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو یہ لوگ اسے ظاہر کر دیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو میں یقیناً جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے بہت سے سوالات کئے۔ مثلاً حضورؐ کے حسب نسب کی نسبت آپ کے اوصاف و عادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ۔ انہی میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بد عہدی، وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اس میں ایک معاہدہ ہے۔ نہ جانے اس میں وہ کیا کرے؟ ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضورؐ اور قریش کے درمیان یہ بات بھی ٹھہری تھی کہ آپس میں دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ یہ واقعہ اس قول کی پوری دلیل بن سکتا ہے کہ رومی فارس پر حدیبیہ والے سال غالب آئے تھے۔ اس لئے کہ قیصر نے اپنی نذر حدیبیہ کے بعد پوری کی تھی۔ واللہ اعلم۔

لیکن اس کا جواب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غلبہ روم فارس پر بدر والے سال ہوا تھا یہ دے سکتے ہیں کہ چونکہ ملک کی اقتصادی اور مالی حالت خراب ہو چکی تھی، ویرانی غیر آبادی و جنگ حالی بہت بڑھ گئی تھی اس لئے چار سال تک ہرقل نے اپنی پوری توجہ ملک کی خوش حالی اور آبادی پر رکھی۔ اس کے بعد اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے نذر پوری کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ واللہ اعلم۔ یہ اختلاف کوئی ایسا اہم امر نہیں۔ ہاں مسلمان رومیوں کے غلبے سے خوش ہوئے۔ اس لئے گو وہ کیسے ہی ہوں تاہم تھے تو اہل کتاب۔ اور ان کے مقابل مجوسیوں کی جماعت تھی جنہیں کتاب سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ تو لازمی امر تھا کہ مسلمان ان کے غلبے سے ناخوش ہوں اور رومیوں کے غلبے سے خوش ہوں۔ خود قرآن میں موجود ہے کہ ایمان والوں کے سب سے زیادہ دشمن یہود اور مشرک ہیں اور ان سے دوستیاں رکھنے میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں علماء اور درویش لوگ ہیں اور یہ مشتبہ نہیں۔

قرآن سن کر یہ رودیتے ہیں کیونکہ حق کو جان لیتے ہیں۔ پھر اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لائے تو ہمیں بھی ماننے والوں میں کر لے۔ پس یہاں بھی فرمایا کہ مسلمان اس دن خوش ہوں گے جس دن اللہ تعالیٰ رومیوں کی مدد کرے گا، وہ جس کی جانتا ہے، مدد کرتا ہے، وہ بڑا غالب اور بہت بڑا مہربان ہے۔ حضرت زبیر کلائی فرماتے ہیں میں نے فارسیوں کا رومیوں پر غالب آنا پھر رومیوں کا فارسیوں پر غالب آنا پھر روم اور فارس دونوں پر مسلمانوں کا غالب آنا خود اپنی آنکھوں سے پندرہ سال کے اندر دیکھ لیا۔ آخر آیت میں فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے بدلہ اور انتقام لینے پر قادر اور اپنے دوستوں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمانے والا ہے۔ جو خبر تمہیں دی ہے کہ رومی عنقریب فارسیوں پر غالب آ جائیں گے یہ اللہ کی خبر ہے، رب کا وعدہ ہے، پروردگار کا فیصلہ ہے۔ ناممکن ہے کہ غلط نکلے، ٹل جائے یا خلاف ہو جائے۔ جو حق کے قریب ہو اسے بھی رب حق سے بہت دور والوں پر غالب رکھتا ہے۔ ہاں اللہ کی حکمتوں کو کم علم جان نہیں سکتے۔ اکثر لوگ دنیا کا علم تو خوب رکھتے ہیں اس کی گتھیاں منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں اس میں خوب دماغ دوڑاتے ہیں۔ اس کے برے بھلے، نفع نقصان کو پہچان لیتے ہیں۔ بیک نگاہ اس کی اونچ نیچ دیکھ لیتے ہیں، دنیا کمانے کا، پیسے جوڑنے کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں لیکن امور

دین میں اخروی کاموں میں محض جاہل، غبی اور کم فہم ہوتے ہیں۔ یہاں نہ ذہن کام کرے نہ سمجھ پہنچ سکے نہ غور و فکر کی عادت۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں بہت سے ایسے بھی ہیں کہ نماز تک تو ٹھیک پڑھ نہیں سکتے لیکن درہم چنگی میں لیتے ہی وزن بتا دیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں دنیا کی آبادی اور رونق کی تو بیسیوں صورتیں ان کا ذہن گھڑ لیتا ہے لیکن دین میں محض جاہل اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى وَإِنَّ كَثِيرًا
مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكَفِرُونَ ۝ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي
الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَرُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا
عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان میں جو کچھ ہے سب کو بہترین قرینے سے مقرر وقت تک کے لئے ہی پیدا کیا ہے ہاں اکثر لوگ یقیناً اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں ○ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا انجام کیا کچھ ہوا؟ وہ ان سے بہت زیادہ توانا اور طاقتور تھے انہوں نے بھی زمین بوی جوئی تھی اور ان سے زیادہ آبادی تھی۔ ان کے پاس ان کے رسول معجزے لے کر آئے تھے، یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا بلکہ دراصل وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○

کائنات کا ہر ذرہ دعوت و فکر دیتا ہے: ☆ ☆ (آیت: ۸-۹) چونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ حق جل و علا کی قدرت کا نشان ہے اور اس کی توحید اور ربوبیت پر دلالت کرنے والا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ موجودات میں غور و فکر کیا کرو اور قدرت اللہ کی ان نشانیوں سے اس مالک کو پہچانو اور اس کی قدر و تعظیم کرو۔ کبھی عالم علوی کو دیکھو، کبھی عالم سفلی پر نظر ڈالو، کبھی اور مخلوقات کی پیدائش کو سوچو اور سمجھو کہ یہ چیزیں عبث اور بیکار پیدا نہیں کی گئیں۔ بلکہ رب نے انہیں کارآمد اور نشان قدرت بنایا ہے۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے یعنی قیامت کا دن۔ جسے اکثر لوگ مانتے ہی نہیں۔ اس کے بعد نبیوں کی صداقت کو اس طرح ظاہر فرماتا ہے کہ دیکھو لو ان کے مخالفین کا کس قدر عبرت ناک انجام ہوا؟ اور ان کے ماننے والوں کو کس طرح دونوں جہان کی عزت ملی؟ تم چل پھر کر اگلے واقعات معلوم کرو کہ گذشتہ امتیں جو تم سے زیادہ زور آور تھیں، تم سے زیادہ مال و زر والی تھیں، تم سے زیادہ کنبے قبیلے اور بیٹے پوتے والی تھیں، تم تو ان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے۔ وہ تم سے زیادہ عمر والے تھے۔ تم سے زیادہ آبادیاں انہوں نے کیں، تم سے زیادہ کھیتیاں اور باغات ان کے تھے، اس کے باوجود جب ان کے پاس اس زمانے کے رسول آئے، انہوں نے لیلیں اور معجزے دکھائے اور پھر بھی اس زمانے کے ان بد نصیبوں نے ان کی نہ مانی اور اپنے خیالات میں مستغرق رہے اور سیاہ کاریوں میں مشغول رہے تو بالآخر عذاب الہی ان پر برس پڑے۔ اس وقت کوئی نہ تھا جو انہیں بچا سکے یا کسی عذاب کو ان پر سے ہٹا سکے۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اسَاءُوا السُّوْاۤى اَنْ كَذَبُوْا بِاٰیٰتِ
 اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ اَللّٰهُ يَبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ
 يُعِيْدُهُ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۲ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ
 الْمُجْرِمُوْنَ ۝۱۳ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِّنْ شُرَكَائِهِمْ شُفْعَاۗءُ
 وَكَانُوْا بِشُرَكَائِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۱۴ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُؤْمِدُ
 يُتَفَرَّقُوْنَ ۝۱۵ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ
 رَوْضَةٍ يُحْبَرُوْنَ ۝۱۶ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَبُوْا بِاٰیٰتِنَا
 وَلِقَاۤىِٕ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحَضَّرُوْنَ ۝۱۷

پھر آخرش برا کرنے والوں کا برا ہی ہوا اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے ○ اللہ ہی مخلوق کی ابتدا کرتا ہے وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا ○ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹناے جاؤ گے ○ جس دن قیامت قائم ہوگی، گنہگاروں کی تو امیدیں ٹوٹ جائیں گی ○ اس دن جماعتیں الگ الگ ہو جائیں گی ○ جو ایمان لا کر نیک اعمال کرتے رہے وہ تو جنت میں خوش و خرم کر دیئے جائیں گے ○ اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھوٹا ٹھہرایا تھا وہ سب عذاب میں پکڑ وادیئے جائیں گے ○

(آیت: ۱۰) یہ عذاب تو ان کے اپنے کرتوتوں کا وبال تھا۔ یہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے رب کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں کو ان کی نگاہوں کو پھیر دیا اور انہیں ان کی سرکشی میں ہی حیران چھوڑ دیا ہے۔ اور آیت میں ہے ان کی کجی کی وجہ سے اللہ نے ان کے دل بھی میڑھے کر دیئے۔ اور اس آیت میں ہے کہ اگر اب بھی منہ موڑیں تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں پر ان کی پکڑ کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ اس بنا پر السُّوْاۤی منصوب ہوگا اَسَاءُ کا مفعول ہو کر۔ اور یہ بھی ایک قول ہے کہ سوای یہاں پر اس طرح واقع ہے کہ برائی ان کا انجام ہوئی۔ اس لئے کہ وہ آیات الہی کے جھٹلانے والے اور ان کا مذاق اڑانے والے تھے۔ تو اس معنی کی رو سے یہ لفظ منصوب ہوگا کَانَ کی خبر ہو کر۔ امام ابن جریر نے یہی توجیہ بیان کی ہے اور ابن عباسؓ اور قتادہؓ سے نقل بھی کی ہے۔ ضحاکؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ اس کے بعد وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ہے۔

اعمال کے مطابق فیصلہ: ☆☆ (آیت ۱۱-۱۶) فرمان باری ہے کہ سب سے پہلے مخلوقات کو اسی اللہ نے بنایا اور جس طرح وہ اس کے پیدا کرنے پر اس وقت قادر تھا اب فنا کر کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی وہ اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ قادر ہے۔ تم سب قیامت کے دن اسی کے سامنے حاضر کئے جانے والے ہو۔ وہاں وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ قیامت کے دن گنہگارنا امید رسوا اور خاموش ہو جائیں گے۔ اللہ کے سوا جن جن کی دنیا میں عبادت کرتے رہے ان میں سے ایک بھی ان کی سفارش کے لئے کھڑا نہ ہوگا۔ اور یہ ان کے پوری طرح محتاج ہوں گے لیکن وہ ان سے بالکل آنکھیں پھیر لیں گے اور خود ان کے معبودان باطل بھی ان سے کنارہ کش ہو جائیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ ہم میں ان میں کوئی دوستی نہیں۔ قیامت قائم ہوتے ہی اس طرح الگ الگ ہو جائیں گے جس کے بعد ملاپ ہے ہی نہیں۔ نیک

لوگ تو علیین میں پہنچا دیئے جائیں گے اور برے لوگ سحجین میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ وہ سب سے اعلیٰ بلندی پر ہوں گے۔ یہ سب سے زیادہ پستی میں ہوں گے۔ پھر اس آیت کی تفصیل ہوتی ہے کہ نیک نفس تو جنتوں میں ہنسی خوشی سے ہوں گے اور کفار جہنم میں جل جہنم رہے ہوں گے۔

فَسُبْحَنَّ اللَّهَ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ
فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ﴿۱۸﴾
يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿۱۹﴾

پس اللہ کی تسبیح پڑھا کرو جبکہ تم شام کرو اور جب صبح کرو۔ تمام تعریفوں کے لائق آسمان و زمین میں صرف وہی ہے ○ تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی اس کی پاکیزگی بیان کرو ○ وہی زندہ کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے ○

خالق کل مقتدر کل ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۷-۱۹) اس رب تعالیٰ کا کمال قدرت اور عظمت سلطنت پر ولالت اس کی تسبیح اور اس کی حمد سے ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہبری کرتا ہے اور اپنا پاک ہونا اور قابل حمد ہونا بھی بیان فرما رہا ہے۔ شام کے وقت جبکہ رات اپنے اندھیروں کو لے کر آتی ہے اور صبح کے وقت جبکہ دن اپنی روشنیوں کو لے کر آتا ہے اتنا بیان فرما کر اس کے بعد کا جملہ بیان فرمانے سے پہلے ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ زمین و آسمان میں قابل حمد و ثنا وہی ہے ان کی پیدائش خود اس کی بزرگی پر دلیل ہے۔ پھر صبح شام کے وقتوں کی تسبیح کا بیان جو پہلے گذرا تھا اس کے ساتھ عشاء اور ظہر کا وقت ملا لیا۔ جو پورے اندھیرے اور کامل اجالے کا وقت ہوتا ہے۔ بیشک تمام تر پاکیزگی اسی کو سزاوار ہے جو رات کے اندھیروں کو اور دن کے اجالوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ صبح کا ظاہر کرنے والا رات کو سکون والی بنانے والا وہی ہے۔ اس جیسی آیتیں اور بھی بہت سی ہیں وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّهَا وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا اور وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى اور وَالضُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى وغیرہ۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام غلیل وفادار کیوں رکھا؟ اس لئے کہ وہ صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے فَسُبْحَنَّ اللَّهَ سے تَظْهِرُونَ تک کی دونوں آیتیں تلاوت فرمائیں۔ طبرانی کی حدیث میں ان دونوں آیتوں کی نسبت ہے کہ جس نے صبح شام یہ پڑھ لیں اس نے دن رات میں جو چیز چھوٹ گئی اسے پالیا۔ پھر بیان فرمایا کہ موت و زیت کا خالق مردوں سے زندوں کو اور زندوں سے مردوں کو نکالنے والا وہی ہے۔ ہر شے پر اور اس کی ضد پر وہ قادر ہے۔ وانے سے درخت درخت سے وانے مرغی سے انڈے سے مرغ، نطفے سے انسان انسان سے نطفہ مومن سے کافر کافر سے مومن غرض ہر چیز اور اس کے مقابلہ کی چیز پر اسے قدرت حاصل ہے۔ خشک زمین کو وہی تر کر دیتا ہے۔ بنجر زمین سے وہی زراعت پیدا کر دیتا ہے۔ جیسے سورہ یاسین میں فرمایا کہ خشک زمین کا تر و تازہ ہو کر طرح طرح کے اناج و پھل پیدا کرنا بھی میری قدرت کا ایک کامل نشان ہے۔ ایک اور آیت میں ہے ”تمہارے دیکھتے ہوئے اس زمین کو جس میں سے دھواں اٹھتا ہو وہ بوند سے تر کر کے میں اہلہا ویتا ہوں اور ہر قسم کی پیداوار سے اسے سرسبز کر دیتا ہوں۔ اور بھی بہت سی آیتوں میں اس مضمون کو کہیں مفصل کہیں مجمل بیان فرمایا۔ یہاں فرمایا اسی طرح تم سب بھی مرنے کے بعد قبروں میں سے زندہ کر کے کھڑے کر دیئے جاؤ گے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ
تَنْتَشِرُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
أَزْوَاجًا لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ
فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تمہاری مٹی سے پیدائش ہے کہ پھر انسان بن کر چلتے پھرتے ہو ○ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کرنا ہے تاکہ تم ان سے آرام پاؤ۔ اس نے تمہارے درمیان محبت اور مہربانی قائم کر دی یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت نشانیاں ہیں ○

بتدریج نظام حیات: ☆ ☆ (آیت: ۲۰-۲۱) فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بیشمار نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ تم سب کو اس نے بے وقعت پانی کے قطرے سے پیدا کیا۔ پھر تمہاری بہت اچھی صورتیں بنائیں، لطف سے خون بستہ کی شکل میں، پھر گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں ڈھال کر، پھر ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر روح پھونکی، آنکھ، کان، ناک پیدا کئے، ماں کے پیٹ سے سلامتی سے نکالا، پھر کمزوری کو قوت سے بدلا، دن بدن طاقتور اور مضبوط قد اور اور زور آور کیا، عمر دی، حرکت و سکون کی طاقت دی، اسباب اور آلات دیئے اور مخلوق کا سردار بنایا اور ادھر سے ادھر پہنچنے کے ذرائع دیئے۔ سمندروں کی زمین کی مختلف سواریاں عطا فرمائیں۔ عقل، علم، سوچ، سمجھ، تدبیر، غور کے لئے دل و دماغ عطا فرمائے۔ دنیاوی کام سمجھائے، رزق، عزت حاصل کرنے کے طریقے کھول دیئے۔ ساتھ ہی آخرت کو سنوارنے کا علم اور دنیاوی علم بھی سکھایا۔ پاک ہے وہ اللہ جو ہر چیز کا صحیح اندازہ کرتا ہے، ہر ایک کو ایک مرتبے پر رکھتا ہے۔ شکل و صورت میں، بول چال میں، امیری فقیری میں، عقل و ہنر میں، بھلائی برائی میں، سعادت و شقاوت میں ہر ایک کو جدا گانہ کر دیا۔ تاکہ ہر شخص رب کی بہت سی نشانیاں اپنے میں اور دوسرے میں دیکھ لے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے ایک مٹھی مٹی کی لے کر اس سے حضرت آدم کو پیدا کیا۔ پس زمین کے مختلف حصوں کی طرح اولاد آدم کی مختلف رنگتیں ہوئیں۔ کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی سیاہ، کوئی خبیث، کوئی طیب، کوئی خوش خلق، کوئی بد خلق وغیرہ۔

پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی قدرت یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ وہ تمہاری بیویاں بنتی ہیں اور تم ان کے خاوند ہوتے ہو، یہ اس لئے کہ تمہیں ان سے سکون و راحت، آرام و آسائش حاصل ہو۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی تاکہ وہ اس کی طرف راحت حاصل کرے۔ حضرت حوا، حضرت آدم کی بائیں پبلی سے جو سب سے زیادہ چھوٹی ہے پیدا ہوئی ہیں۔ پس اگر انسان کا جوڑا انسان سے نہ ملتا اور کسی اور جنس سے ان کا جوڑا بندھتا تو موجودہ الفت و رحمت ان میں نہ ہو سکتی۔ یہ پیارا اخلاص یک جنسی کی وجہ سے ہے۔ ان میں آپس میں محبت، مودت، رحمت، الفت، پیارا اخلاص، رحم اور مہربانی ڈال دی۔ پس مرد یا تو محبت کی وجہ سے عورت کی خبر گیری کرتا ہے یا غم کھا کر اس کا خیال رکھتا ہے اس لئے کہ اس سے اولاد ہو چکی ہے اس کی پرورش ان دونوں کے میل ملاپ پر موقوف ہے الغرض بہت سی وجوہات رب العالمین نے رکھ دی ہیں جن کے باعث انسان با آرام اپنے جوڑے کے ساتھ اپنی زندگی گزارتا ہے۔ یہ بھی رب کی مہربانی اور اس کی قدرت کاملہ کی ایک زبردست نشانی ہے۔ ادنیٰ غور سے انسان کا ذہن اس تک پہنچ جاتا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ السِّنِّتِكُمْ
وَالْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ
آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ إِنَّ
فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿۲۲﴾

اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بھی ہے ○ دُش مندوں کے لئے اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔ اور بھی اس کی قدرت کی نشانی تمہاری راتوں کی اور دن کی نیند میں ہے اور اس کے فضل یعنی روزی کو تمہارا تلاش کرنا بھی ہے جو لوگ کان لگا کر سننے کے عادی ہیں ان کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ○

یہ رنگ یہ زبانیں اور وسیع تر کائنات: ☆ ☆ (آیت: ۲۲-۲۳) رب العالمین اپنی زبردست قدرت کی ایک نشانی اور بیان فرماتا ہے کہ اس قدر بلند کشادہ آسمان کی پیدائش اس میں ستاروں کا جزاؤ ان کی چمک دمک ان میں سے بعض کا چلتا پھرتا ہونا، بعض کا ایک جا ثابت رہنا، زمین کو ایک ٹھوس شکل میں بنانا، اسے کثیف پیدا کرنا، اس میں پہاڑ، میدان، جنگل، دریا، سمندر، ٹیلے، پتھر، درخت وغیرہ جمادینا۔ خود تمہاری زبانوں میں رنگتوں میں اختلاف رکھنا، عرب کی زبان، تاتاریوں، کردوں، رومیوں، فریقیوں، تکرینیوں، بربر، حبشیوں، ہندیوں، ایرانیوں، حنابلہ، آرمینیوں، جزیروں اور اللہ جانے کتنی کتنی زبانیں زمین پر بنو آدم میں بولی جاتی ہیں۔ انسانی زبانوں کے اختلاف کے ساتھ ہی ان کی رنگتوں کا اختلاف بھی شان الہی کا مظہر ہے۔ خیال تو فرمائیے کہ لاکھوں آدمی جمع ہو جائیں، ایک کنبہ قبیلے کے، ایک ملک، ایک زبان کے ہوں لیکن ناممکن ہے کہ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی اختلاف نہ ہو۔ حالانکہ اعضائے بدن کے اعتبار سے کلی موافقت ہے۔ سب کی دو آنکھیں، دو پلکیں، ایک ناک، دو دوکان، ایک پیشانی، ایک منہ، دو ہونٹ، دو رخسار وغیرہ لیکن تاہم ایک سے ایک علیحدہ ہے۔ کوئی نہ کوئی عادت، خصلت، کلام، بات چیت، طرز ادا ایسی ضرور ہوگی کہ جس میں ایک دوسرے کا امتیاز ہو جائے گو وہ بعض مرتبہ پوشیدہ سی اور ہلکی سی چیز ہی ہو۔ گو خوبصورتی اور بدصورتی میں کئی ایک یکساں نظر آئیں لیکن جب غور کیا جائے تو ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنے والا کوئی نہ کوئی وصف ضرور نظر آ جائے گا۔ ہر جاننے والا اتنی بڑی طاقتوں اور قوتوں کے مالک کو پہچان سکتا ہے اور اس صنعت سے صانع کو جان سکتا ہے۔ نیند بھی قدرت کی ایک نشانی ہے جس سے تھکان دور ہو جاتی ہے، راحت و سکون حاصل ہوتا ہے اس کے لئے قدرت نے رات بنادی۔ کام کاج کے لئے دنیا حاصل کرنے کے لئے، کمائی دھندے کے لئے، تلاش معاش کے لئے اس اللہ نے دن کو پیدا کر دیا جو رات کے بالکل خلاف ہے۔ یقیناً سننے سمجھنے والوں کے لئے یہ چیزیں نشان قدرت ہیں۔ طبرانی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ راتوں کو میری نیند اچاٹ ہو جایا کرتی تھی تو میں نے آنحضرت ﷺ سے اس امر کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ دعا پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النَّجُومُ وَ هَدَّاتِ الْعُيُودُ وَاَنْتَ حَيُّ قَيُّوْمٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اِنِّمِ عَيْنِيْ وَ اَهْدِيْ لَيْلِيْ۔ میں نے جب اس دعا کو پڑھا تو نیند نہ آنے کی بیماری بفضل اللہ دور ہو گئی۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ السِّنِّتِكُمْ
وَالْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ

اٰتِيهِ مَنَاكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتَغَاوْكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور امید دار بنانے کے لئے تجلیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس میں بھی عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ○ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں پھر جب وہ تمہیں آواز دے گا صرف ایک باریک آواز کے ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے ○

قیام ارض وسما: ☆ ☆ (آیت: ۲۳-۲۵) اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی ایک اور نشانی بیان کی جا رہی ہے کہ آسمانوں پر اس کے حکم سے بجلی کووندتی ہے جسے دیکھ کر کبھی تمہیں دہشت لگنے لگتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کڑک کسی کو ہلاک کر دے، کہیں بجلی گرے وغیرہ اور کبھی تمہیں امید بندھتی ہے کہ اچھا ہوا اب بارش برے گی۔ پانی کی ریل پیل ہوگی۔ تر سالی ہو جائے گی وغیرہ۔ وہی ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اس زمین کو جو خشک پڑی ہوئی تھی جس پر نام نشان کو کوئی ہر یا ول نہ تھی، مثل مردے کے بے کار تھی اس بارش سے وہ زندہ کر دیتا ہے لہذا لہجہ لگتی ہے ہری بھری ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی پیداوار اگا دیتی ہے۔ عقل مندوں کے لئے عظمت الہی کی یہ ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ وہ اس نشان کو دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ اس زمین کو زندہ کرنے والا اللہ ہماری موت کے بعد ہمیں بھی از سر نو زندہ کر دینے پر قادر ہے۔ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زمین و آسمان اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ وہ آسمان کو زمین پر گرنے نہیں دیتا اور آسمان زمین کو تھامے ہوئے ہے اور انہیں زوال سے بچائے ہوئے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی تاکید یا قسم کھانا چاہتے تو فرماتے، اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان ٹھہرے ہوئے ہیں پھر قیامت کے دن وہ زمین و آسمان کو بدل دے گا، مردے اپنی قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ خود اللہ انہیں آواز دے گا اور یہ صرف ایک آواز پر زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو اس کی حمد کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی کم رہے۔ اور آیت میں ہے فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ صرف ایک ہی آواز سے ساری مخلوق میدان محشر میں جمع ہو جائے گی۔ اور آیت میں ہے اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ یعنی وہ تو صرف ایک آواز ہوگی جسے سنتے ہی سب کے سب ہمارے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔

وَلَهُ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ یَبْدُؤُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهُ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ وَلَهُ الْمِثْلُ الْاَعْلٰی فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۵﴾

زمین و آسمان کی ہر ہر چیز اسی کی ملکیت ہے اور ہر ایک اس کے فرمان کے ماتحت ہے ○ وہی ہے جس نے شروع شروع میں مخلوق کو پیدا کیا۔ وہی پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔ اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی ذی عزت، غلبہ والا باحکمت، حکمت

والا ہے ○

جس کا کوئی ہمسر نہیں: ☆ ☆ (آیت: ۲۶-۲۷) فرماتا ہے کہ تمام آسمانوں اور ساری زمینوں کی مخلوق اللہ کی ہی ہے سب اس کے

لونڈی غلام ہیں، سب اسی کی ملکیت ہیں۔ ہر ایک اس کے سامنے عاجز و لاچار مجبور و بے بس ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ”قرآن کریم میں جہاں کہیں قنوت کا ذکر ہے وہاں مراد اطاعت و فرمانبرداری ہے۔“ ابتدائی پیدائش بھی اسی نے کی اور وہی اعادہ بھی کرے گا اور اعادہ بہ نسبت ابتدا کے عادتاً آسان اور ہلکا ہوتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ”جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے اور اسے یہ چاہئے نہیں تھا۔ وہ مجھے برا کہتا ہے اور یہ بھی اسے لائق نہ تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے جس طرح اس نے مجھے اولاد پیدا کیا، اس طرح دوبارہ پیدا کر نہیں سکتا۔ حالانکہ دوسری مرتبہ کی پیدائش پہلی دفعہ کی پیدائش سے بالکل ہی آسان ہوا کرتی ہے۔ اس کا مجھے برا کہنا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے حالانکہ میں احد اور صمد ہوں۔“ جس کی نہ اولاد نہ ماں باپ اور جس کا کوئی ہمسر نہیں۔ الغرض دونوں پیدائشیں اس مالک کی قدرت کی مظہر ہیں نہ اس پر کوئی کام بھاری نہ بوجھل۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہُو کی ضمیر کا مرجع خَلْق ہو۔ مثل سے مراد یہاں اس کی توحید الوہیت اور توحید ربوبیت ہے نہ کہ مثال، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مثال سے پاک ہے۔ فرمان ہے لیسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اس کی مثال کوئی اور نہیں۔ بعض اہل ذوق نے کہا ہے کہ جب صاف شفاف پانی کا ستھرا پاک صاف حوض ٹھہرا ہوا ہو اور باد صبا کے تھپڑے اسے ہلاتے جلاتے نہ ہوں، اس وقت اس میں آسان صاف نظر آتا ہے۔ سورج اور چاند ستارے بالکل دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح بزرگوں کے دل ہیں جن میں وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کو ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ غالب ہے جس پر کسی کا بس نہیں، نہ اس کے سامنے کسی کی کچھ چل سکے۔ ہر چیز اس کی ماتحتی میں اور اس کے سامنے پست و لاچار عاجز و بے بس ہے۔ اس کی قدرت، سطوت، سلطنت ہر چیز پر محیط ہے۔ وہ حکیم ہے۔ اپنے اقوال، افعال، شریعت، تقدیر، غرض ہر ہر امر میں۔ حضرت محمد بن منکدر فرماتے ہیں مثل اعلیٰ سے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا
مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِيْ مَا رَزَقْنَكُمْ فَأَنْتُمْ
فِيْهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ
لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَ هُمْ
بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

تَصْرِيفٌ ﴿٢٩﴾

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک مثال خود تمہاری ہی بیان فرمائی۔ جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے، کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمہارا شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر رہے؟ ہو؟ اور تم ان کا ایسا خطرہ رکھتے ہو جیسا خود اپنوں کا، ہم عقل رکھنے والوں کے لئے اسی طرح کھول کر بیان کر دیتے ہیں ○ اصل بات یہ ہے کہ یہ ظالم تو بے علم کی خواہش پرستی کر رہے ہیں اسے کون راہ دکھائے جسے اللہ راہ سے ہٹا دے؟ ان کا ایک بھی مددگار نہیں ○

اپنے دلوں میں جھانکو! ☆ ☆ (آیت: ۲۸-۲۹) مشرکین مکہ اپنے بزرگوں کو اللہ کا شریک جانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے کہ یہ سب اللہ کے غلام اور اس کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ وہ حج و عمرے کے موقع پر بلیک پکارتے ہوئے کہتے تھے کہ لَبِیکَ لَا شَرِیکَ لَکَ إِلَّا تَبَرِیکَ هُوَ لَکَ تَمْلِکُہُ وَمَا مَلَکَ لَیْسَ ہِیَ، ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ کہ وہ خود اور جس چیز کا وہ مالک ہے

سب تیری ملکیت میں ہے۔ یعنی ہمارے شریکوں کا اور ان کی ملکیت کا تو ہی اصلی مالک ہے۔ پس یہاں انہیں ایک ایسی مثال سے سمجھایا جا رہا ہے جو خود یہ اپنے نفس میں ہی پائیں۔ اور بہت اچھی طرح غور و خوض کر سکیں۔ فرماتا ہے کہ کیا تم میں سے کوئی بھی اس امر پر رضامند ہوگا کہ اس کے کل مال وغیرہ میں اس کے غلام اس کے برابر شریک ہوں اور ہر وقت اسے یہ دھڑکا رہتا ہو کہ کہیں وہ تقسیم کر کے میری جائیداد اور ملکیت آدھوں آدھ بانٹ نہ لے جائیں۔

پس جس طرح تم یہ بات اپنے لئے پسند نہیں کرتے اللہ کے لئے بھی یہ نہ چاہو جس طرح غلام آقا کی ہمسری نہیں کر سکتا اسی طرح اللہ کا کوئی بندہ اللہ کا شریک نہیں ہو سکتا۔ یہ جب نا انصافی ہے کہ اپنے لئے جس بات سے چڑھیں اور نفرت کریں اللہ کے لئے وہی بات ثابت کرنے بیٹھ جائیں۔ خود بیٹیوں سے جلتے تھے اتنا سنتے ہی کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی ہے منہ کالے پڑ جاتے تھے اور اللہ کے مقرب فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں کہتے تھے۔ اسی طرح خود اس بات کے کبھی روادار نہیں ہوئے کہ اپنے غلاموں کو اپنے برابر کا شریک و ہم سہم سمجھیں لیکن اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک سمجھ رہے ہیں۔ کس قدر انصاف کا خون ہے؟ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مشرک جو لبیک پکارتے تھے اور اس میں اللہ کے لاشریک ہونے کا اقرار کر کے پھر اس کی غلامی تلے دوسروں کو مان کر پھر انہیں اس کا شریک ٹھہراتے تھے اس پر یہ آیت اتری۔ اور اس میں بیان ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر کا شریک ٹھہرانے سے عار رکھتے ہو تو اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک کیوں ٹھہرا رہے ہو۔ یہ صاف بات بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اسی طرح تفصیل وار دلائل غافلوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اور بتلاتا ہے کہ مشرکین کے شرک کی کوئی سند عقلی نقلی کوئی دلیل نہیں۔ صرف کرشمہ جہالت اور پیروی خواہش ہے۔ جبکہ یہ راہ راست سے ہٹ گئے تو پھر انہیں اللہ کے سوا اور کوئی راہ راست پر لائیں سکتا۔ یہ گود دوسروں کو اپنا کارساز اور مددگار مانتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ دشمنان الہی کا دوست کوئی نہیں۔ کون ہے جو اس کی مرضی کے خلاف لب ہلا سکے۔ کون ہے جو اس پر مہربانی کرے۔ جس پر اللہ نامہربان ہو؟ جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے اور جسے وہ نہ چاہے ہو نہیں سکتا۔

فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۝
وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ مِّنِّيْبِينَ إِلَيْهِ
وَ اتَّقُوهُ وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ لَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝
مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَ كَانُوا شِيعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا
لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝

پس تو یک سو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دے اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کے بنائے کو بدلنا نہیں یہی راست دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○ اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈراتے رہو اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں نہ مل جاؤ ○ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی ٹرہ ٹرہ ہو گئے ہر ٹرہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے نازاں ہے ○

بچہ اور ماں باپ: ☆ ☆ (آیت: ۳۰-۳۲) ملت ابراہیم حنیف پر جم جاؤ جس وین کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کر دیا ہے اور جسے

اے نبی آپ کے ہاتھ پر اللہ نے کمال کو پہنچایا ہے۔ رب کی فطرت سلیمہ پر وہی قائم ہے جو اس دین اسلام کا پابند ہے۔ اسی پر یعنی توحید پر رب نے تمام انسانوں کو بنایا ہے۔ روز اول میں اسی کا سب سے اقرار کر لیا گیا تھا کہ کیا میں سب کا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے اقرار کیا کہ بیشک تو ہی ہمارا رب ہے۔ وہ حدیثیں عنقریب ان شاء اللہ بیان ہوں گی جن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ مخلوق کو اپنے سچے دین پر پیدا کیا ہے گو اس کے بعد لوگ یہودیت، نصرانیت وغیرہ پر چلے گئے۔ لوگو! اللہ کی اس فطرت کو نہ بدلو۔ لوگوں کو اس راہ راست سے نہ ہٹاؤ۔ تو یہ خبر معنی میں امر کے ہوگی جیسے مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا میں یہ معنی نہایت عمدہ اور صحیح ہیں۔ دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو فطرت سلیمہ پر یعنی دین اسلام پر پیدا کیا۔ رب کے اس دین میں کوئی تبدل و تغیر نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی معنی کئے ہیں کہ یہاں خلق اللہ سے مراد دین اور فطرت اسلام ہے۔

بخاری شریف میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمان رسولؐ ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں۔ جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ ہوتا ہے جس کے کان لوگ کتر دیتے ہیں۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی فَطَرَهُ اللَّهُ التَّيَّيُّ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔ مسند احمد میں ہے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کیا۔ وہاں ہم بفضل اللہ غالب آگئے۔ اس دن لوگوں نے بہت سے کفار کو قتل کیا یہاں تک کہ چھوٹے بچوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ حضور کو پتہ چلا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا بات ہے لوگ حد سے آگے نکل جاتے ہیں۔ آج بچوں کو بھی قتل کر دیا ہے۔ کسی نے کہا۔ یا رسول اللہ! خروہ بھی مشرکین کی ہی اولاد تھی۔ آپؐ نے فرمایا نہیں نہیں۔ یاد رکھو تم میں سے بہترین لوگ مشرکین کے بچے ہیں۔ خبردار بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا، نابالغوں کے قتل سے رک جانا۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنی زبان سے کچھ کہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی بنا لیتے ہیں۔

جابر بن عبد اللہ کی روایت سے مسند شریف میں ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے زبان آ جائے۔ اب یا تو شاکر بنتا ہے یا کافر۔ مسند میں بروایت حضرت ابن عباسؓ مروی ہے کہ حضور علیہ السلام سے مشرکوں کی اولاد کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ خوب جانتا تھا کہ وہ کیا اعمال کرنے والے ہیں۔ آپؐ سے مروی ہے کہ ایک زمانے میں میں کہتا تھا مسلمانوں کی اولاد مسلمانوں کے ساتھ ہے اور مشرکوں کی مشرکوں کے ساتھ ہے یہاں تک کہ فلاں شخص نے فلاں سے روایت کر کے مجھے سنایا کہ جب آنحضرت ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا اللہ خوب عالم ہے اس چیز سے جو وہ کرتے۔ اس حدیث کو کن کر میں نے اپنا فتویٰ چھوڑ دیا۔ حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا کہ مجھے جناب باری عزوجل نے حکم دیا کہ جو اس نے مجھے آج سکھایا ہے اور اس سے تم جاہل ہوؤ وہ میں تمہیں سکھا دوں۔ فرمایا ہے کہ جو میں نے اپنے بندوں کو دیا ہے میں نے ان کے لئے حلال کیا ہے۔ میں نے اپنے سب بندوں کو یک طرفہ خالص دین والا بنایا ہے ان کے پاس شیطان پہنچتا ہے اور انہیں دین سے گمراہ کرتا ہے اور حلال کو ان پر حرام کرتا ہے اور انہیں میرے ساتھ شریک کرنے کو کہتا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف نگاہ ڈالی اور عرب و عجم سب کو ناپسند فرمایا سوائے چند اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے۔ وہ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے صرف آزمائش کے لئے بھیجا ہے۔ تیری اپنی بھی آزمائش ہوگی اور تیری وجہ سے اور سب کی بھی۔ میں تجھے پروہ کتاب اتاروں گا جسے پانی دھو نہ سکے۔ تو اسے سوتے جاگتے پڑھتا رہے گا۔ پھر مجھ سے جناب باری نے ارشاد فرمایا کہ میں قریش کو ہوشیار کر دوں۔ میں نے

اپنا اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں وہ میرا سر کچل کر روٹی جیسا نہ بنادیں؟ تو فرمایا، سن جیسے یہ تجھے نکالیں گے، میں انہیں نکالوں گا، تو ان سے جہاد کر میں تیرا ساتھ دوں گا، تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو لشکر بھیج، میں اس سے پانچ حصے زیادہ لشکر بھیجوں گا، فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں پر چڑھائی کر دے۔ اہل جنت تین قسم کے ہیں، عادل بادشاہ، توفیق خیر والا، نیک، نرم دل، ہر مسلمان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے والا، پاک دامن، سوال اور حرام سے بچنے والا، عیالدار آدمی۔ اہل جہنم پانچ قسم کے لوگ ہیں، وہ بے وقعت، کہنے لوگ جو بے زراور بے گھوڑ ہیں، جو تمہارے دامنوں میں لپٹے رہتے ہیں۔ وہ خائن جو حقیر چیزوں میں بھی خیانت کئے بغیر نہیں رہتا۔ وہ لوگ جو ہر وقت لوگوں کو ان کی جان و مال اور اہل و عیال میں دھوکے دیتے رہتے ہیں۔ صبح شام چال باز یوں اور مکر و فریب میں لگے رہتے ہیں۔ پھر آپ نے بخیل یا کذاب کا ذکر کیا اور فرمایا یا نجوس قسم کے لوگ بد زبان بد گو ہیں (مسلم وغیرہ)

یہی فطرت سلیمہ، یہی شریعت کو مضبوطی سے تھامے رہنا ہی سچا اور سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں اور اپنی اسی جہالت کی وجہ سے اللہ کے ایسے پاک دین سے دور بلکہ محروم رہ جاتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے، گو تیری حرص ہو لیکن ان میں سے اکثر لوگ بے ایمان ہی رہیں گے۔ ایک اور آیت میں ہے، اگر تو اکثریت کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے راہ اللہ سے بہکا دیں گے۔ تم سب اللہ کی طرف راغب رہو، اسی کی جانب بھگے رہو، اسی کا ڈر خوف رکھو، اسی کا لحاظ رکھو۔ نمازوں کی پابندی کرو جو سب سے بڑی عبادت اور اطاعت ہے۔ تم مشرک نہ بنو بلکہ موحد خالص بن جاؤ۔ اس کے سوا کسی اور سے کوئی مراد وابستہ نہ رکھو۔ حضرت معاذؓ سے حضرت عمرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا، یہ تین چیزیں ہیں اور یہی نجات کی جڑیں ہیں، اول اخلاص جو فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے، دوسرے نماز جو دراصل دین ہے، تیسرے اطاعت جو عصمت اور بچاؤ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، آپ نے سچ کہا۔ تمہیں مشرکوں میں نہ ملنا چاہیے، تمہیں ان کا ساتھ نہ دینا چاہیے، اور نہ ان جیسا فعل کرنا چاہیے جنہوں نے دین الہی کو بدل دیا، بعض باتوں کو مان لیا بعض سے انکار کر گئے، فَرَقُوا کی دوسری قراءت فَاَرَقُوا ہے یعنی انہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا۔ جیسے یہود نصاریٰ، مجوس بت پرست اور دوسرے باطل مذاہب والے۔ جیسے ارشاد ہے، جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کی اور گروہ بندی کر لی تو ان میں شامل ہی نہیں، ان کا انجام سپرد الہی ہے، تم سے پہلے والی قومیں گروہ در گروہ ہو گئیں اور سب کی سب باطل پر جم گئیں اور ہر فرقہ یہی دعویٰ کرتا رہا کہ وہ سچا ہے اور دراصل حقانیت ان سب سے گم ہو گئی تھی۔ اس امت میں بھی تفرقہ پڑا لیکن ان میں ایک حق پر ہے۔ ہاں باقی سب گمراہی پر ہیں۔ یہ حق والی جماعت اہل سنت و الجماعت ہے جو کتاب اللہ کو اور سنت رسول اللہؐ کو مضبوط تھامنے والی ہے جس پر سابقہ زمانے کے صحابہ، تابعینؓ اور ائمہ مسلمینؒ تھے۔ گزشتہ زمانے میں بھی اور اب بھی۔ جیسے مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہؐ سے دریافت کیا گیا کہ ان سب میں نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا مَنْ كَانَ عَلَى مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَ أَصْحَابِي یعنی وہ لوگ جو اس پر ہوں جس پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں (برادرانِ غور فرمائیے کہ وہ چیز جس پر رسول اللہؐ اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم آپؐ کے زمانے میں تھے وہ وحی اللہ یعنی قرآن و حدیث ہی تھی یا کسی امام کی تقلید؟)

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ
إِذَا أَزَقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يَشْرَكُونَ
لِيَكْفُرُوا بِمَا اتَّيْنَهُمْ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ أَمْ أَنزَلْنَا

عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿۵۰﴾ وَإِذَا
 أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِن تُصِيبَهُمْ سَيِّئَةٌ يُمَاسُوا
 قَدَمَتِ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿۵۱﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ
 الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾

لوگوں کو جب کبھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف پوری طرح رجوع ہو کر دعائیں کرتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی طرف سے رحمت کا ذائقہ چکھتا ہے تو ان میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شکر کرنے لگتی ہے ○ تاکہ وہ اس چیز کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہے اچھا تم فائدہ اٹھا لو ابھی ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا ○ کیا کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے جو اسے بیان کرے جسے یہ اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہیں ○ اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوب خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں ان کے ہاتھوں کے کروتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچے تو ایک دم وہ محض ناامید ہو جاتے ہیں ○ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے کشادہ روزی دیتا ہے اور تنگ بھی۔ اس میں بھی ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں نشانیاں ہیں ○

انسان کی مختلف حالتیں: ☆ ☆ (آیت ۳۳-۳۷) اللہ تعالیٰ لوگوں کی حالت بیان فرما رہا ہے کہ دکھ درد مصیبت و تکلیف کے وقت تو وہ اللہ وحدہ لا شریک کو بڑی عاجزی و زاری نہایت توجہ اور پوری دلسوزی کے ساتھ پکارتے ہیں اور جب اس کی نعمتیں ان پر برسے لگتی ہیں تو یہ اللہ کے ساتھ شکر کرنے لگتے ہیں۔ لِيَكْفُرُوا میں لام بعض تو کہتے ہیں لام عاقبت ہے اور بعض کہتے ہیں لام تعلیل ہے۔ لیکن اس کا لام تعلیل ہونا اس وجہ سے بھلا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ان کے لئے یہ مقرر کیا۔ پھر انہیں دھوکا یا کہ تم ابھی معلوم کر لو گے۔ بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ کو تو ال یا سپاہی اگر کسی کو ذرا سنے دھمکائے تو وہ کانپ اٹھتا ہے۔ تعجب ہے کہ اس کے دھمکانے سے ہم دہشت میں آئیں جس کے قبضے میں ہر چیز ہے اور جس کا صرف یہ کہہ دینا ہر امر کے لئے کافی ہے کہ ہو جا اس سے نہ ڈریں۔ پھر مشرکین کا محض بے دلیل ہونا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے ان کے شرک کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔

پھر انسان کی ایک بیہودہ خصلت بطور انکار بیان ہو رہی ہے کہ سوائے چند ہستیوں کے عموماً حالت یہ ہے کہ راحتوں کے وقت پھول جاتے ہیں اور غمخیزی کے وقت مایوس ہو جاتے ہیں۔ گویا اب کوئی بہتری ملے گی نہیں۔ ہاں مومن غمخیزی میں صبر اور نرمیوں میں نیکیاں کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے 'مومن پر تعجب ہے۔ اس کے لئے اللہ کی ہر قضا بہتر ہی ہوتی ہے۔ راحت پر شکر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور مصیبت پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی متصرف اور مالک ہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق جہان کا نظام چلا رہا ہے کسی کو کم دیتا ہے کسی کو زیادہ دیتا ہے۔ کوئی تنگی ترشی میں ہے کوئی وسعت اور فراخی میں۔ اس میں مومنوں کے لئے نشان ہیں۔

قَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ
 يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۳﴾ وَمَا آتَيْتُم
 مِّن رَّبٍّ لَّا يَرْبُوا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ
 اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ

هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۳۸﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ
یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ
ذٰلِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرَکُوْنَ ﴿۳۹﴾

ع
۱۲

قربت دار کو مسکین کو مسافر کو ہر ایک کو اس کا حق دے۔ یہ ان کے لئے بہتر ہے جو اللہ کا چہرہ دیکھنا چاہتے ہوں۔ ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں ○ تم جو بیاں (سود) پردیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو کچھ صدقہ زکوٰۃ تم اللہ کے چہرہ کی طلب کے لئے دو تو ایسے لوگ ہی ہیں اپنا دو چند کرنے والے ○ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر روزی دی پھر مار ڈالے گا۔ پھر زندہ کر دے گا بتاؤ تمہارا شرکیوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو؟ اللہ کے لئے پاکی اور برتری ہے ہر اک اس شریک سے جو یہ لوگ مقرر کرتے ہیں ○

صلہ رحمی کی تاکید: ☆ ☆ (آیت: ۳۸-۴۰) قرابتداروں کے ساتھ نیکی سلوک اور صلہ رحمی کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو یا کچھ ہو لیکن بقدر کفایت نہ ہو۔ اس کے ساتھ بھی سلوک و احسان کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ مسافر جس کا خرچ کم پڑ گیا ہو اور سفر خرچ پاس نہ رہا ہو۔ اس کے ساتھ بھی بھلائی کرنے کا ارشاد ہوتا ہے۔ یہ ان کے لئے بہتر ہے جو چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن دیدار الہی کریں۔ حقیقت میں انسان کے لئے اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں۔ دنیا اور آخرت میں نجات ایسے ہی لوگوں کو ملے گی۔ اس دوسری آیت کی ایک تفسیر تو ابن عباسؓ مجاہدؓ ضحاکؓ قتادہؓ عکرمہؓ محمد بن کعبؓ اور شعیبؓ سے یہ مروی ہے کہ جو شخص کوئی عطیہ اس ارادے سے دے کہ لوگ اسے اس سے زیادہ دیں تو گو اس ارادے سے ہدیہ دینا ہے تو مباح لیکن ثواب سے خالی ہے۔ اللہ کے ہاں اس کا بدلہ کچھ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس سے بھی روک دیا۔ اس معنی میں یہ حکم آپ کے لئے مخصوص ہو گا۔

اسی کی مشابہ آیت وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ہے یعنی زیادتی، معاوضہ کی نیت سے کسی کے ساتھ احسان نہ کیا کرو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سود یعنی نفع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو بیوپار تجارت میں سود یہ تو حرام محض ہے۔ دوسرا سود یعنی زیادتی جس میں کوئی حرج نہیں۔ وہ کسی کو اس ارادہ سے ہدیہ تحفہ دینا ہے کہ یہ مجھے اس سے زیادہ دے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اللہ کے پاس ثواب تو زکوٰۃ کے ادا کرنے کا ہے۔ زکوٰۃ دینے والوں کو بہت برکتیں ہوتی ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور بھی صدقے میں دے لیکن حلال طور سے حاصل کی ہوئی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ رحمن رحیم اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہی ایک کھجور اچھاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔ اللہ ہی خالق و رازق ہے۔ انسان اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا بے علم بے کان بے آنکھ بے طاقت نکلتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے سب چیزیں عطا فرماتا ہے۔ مال، ملکیت، کمائی، تجارت غرض بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

دو صحابیوں کا بیان ہے کہ ہم حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے۔ ہم نے بھی آپ کا ہاتھ بنایا۔ آپ نے فرمایا دیکھو سر ہلنے لگے تب تک بھی روزی سے کوئی محروم نہیں رہتا۔ انسان نگاہ کو دنیا میں آتا ہے ایک چھلکا بھی اس کے بدن پر نہیں ہوتا۔ پھر رب ہی اسے روزیاں دیتا ہے۔ اس حیات کے بعد تمہیں مار ڈالے گا۔ پھر قیامت کے دن زندہ کرے گا۔ اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کر رہے ہو ان میں سے ایک بھی ان باتوں میں سے کسی ایک پر قابو نہیں رکھتا۔ ان کاموں میں سے ایک بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی تنہا خالق، رازق اور موت زندگی کا مالک ہے۔ وہی قیامت کے دن تمام مخلوق کو جلا دے گا۔ اس کی مقدس

منزہ، معظم اور عزت و جلال والی ذات اس سے پاک ہے۔ کوئی اس کا شریک ہو یا اس جیسا ہو یا اس کے برابر ہو یا اس کی اولاد ہو یا ماں باپ ہوں۔ وہ احد ہے، وحد ہے، فرد ہے، ماں باپ اولاد سے پاک ہے اس کا کفو کوئی نہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ
لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۷﴾
سَيَرَوْا فِي الْأَرْضِ فَاَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۲۸﴾

خشکی اور تری میں لوگوں کی بد اعمالیوں کے باعث مصیبتیں آن پڑیں اس لئے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا دے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں ○ زمین پر چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ لگوں کا انجام کیا ہوا؟ جن میں اکثر لوگ مشرک تھے ○

زمین کی اصلاح اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مضمر ہے: ☆ ☆ (آیت: ۲۱-۲۲) ممکن ہے برعین خشکی سے مراد میدان اور جنگل ہوں اور بحر یعنی تری سے مراد شہر اور دیہات ہوں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ برکتیں ہیں خشکی کو اور بحر کہتے ہیں تری کو۔ خشکی کے فساد سے مراد بارش کا نہ ہونا، پیداوار کا نہ ہونا، قحط سالیوں کا آنا ہے۔ تری کے فساد سے مراد بارش کا رک جانا جس سے پانی کے جانور اندھے ہو جاتے ہیں۔ انسان کا قتل اور کشتیوں کا جبراً چھین جھپٹ لینا، یہ خشکی تری کا فساد ہے۔ بحر سے مراد جزیرے اور بر سے مراد شہر اور بستیاں ہیں۔ لیکن اول قول زیادہ ظاہر ہے اور اسی کی تائید محمد بن اسحاق کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضورؐ نے ایلہ کے بادشاہ سے صلح کی اور اس کا بحر یعنی شہر اسی کے نام کر دیا۔ پھلوں کا اناج کا نقصان دراصل انسان کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ اللہ کے نافرمان زمین کے بگاڑنے والے ہیں۔ آسمان و زمین کی اصلاح اللہ کی عبادت و اطاعت سے ہے۔ ابو داؤد میں حدیث ہے کہ زمین پر ایک حد کا قائم ہونا زمین والوں کے حق میں چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔ یہ اس لئے کہ حد قائم ہونے سے مجرم گناہوں سے باز رہیں گے اور جب گناہ نہ ہوں گے تو آسمانی اور زمینی برکتیں لوگوں کو حاصل ہوں گی۔ چنانچہ آخر زمانے میں جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتریں گے اور اس پاک شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے مثلاً خنزیر کا قتل، صلیب کی شکست، جزیرے کا ترک، یعنی اسلام کی قبولیت یا جنگ، پھر جب آپ کے زمانے میں دجال اور اس کے مرید ہلاک ہو جائیں گے یا جوج ماجوج تباہ ہو جائیں گے تو زمین سے کہا جائے گا کہ اپنی برکتیں لوٹا دے۔ اس دن ایک انار لوگوں کی ایک بڑی جماعت کو کافی ہوگا۔ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے چھلکے تلے یہ سب لوگ سایہ حاصل کر لیں۔ ایک اونٹنی کا دو دھ ایک پورے قبیلے کو کفایت کرے گا۔ یہ ساری برکتیں صرف رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے جاری کرنے کی وجہ سے ہوں گی جیسے عدل و انصاف مطابق شرع شریف بڑھے گا ویسے ویسے خیر و برکت بڑھتی چلی جائے گی۔ اس کے برخلاف فاجر شخص کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ اس کے مرنے پر بندے شہر درخت اور جانور سب راحت پالیتے ہیں۔

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ زیاد کے زمانے میں ایک تھیلی پانی گئی جس میں کھجور کی بڑی گٹھلی جیسے گہبوں کے دانے تھے اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانے میں آگتے تھے جس میں عدل و انصاف کو کام میں لایا جاتا تھا۔ زید بن اسلم سے مروی ہے کہ مراد فساد سے شرک ہے لیکن یہ قول تامل طلب ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ مال اور پیداوار کی اور پھر اناج کی کمی بطور آزمائش کے اور بطور ان کے بعض اعمال کے بدلے کے ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَبَلَّوْهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ہم نے انہیں بھلائیوں برائیوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ

لوٹ جائیں۔ تم زمین میں چل پھر کر آپ ہی دیکھ لو کہ تم سے پہلے جو مشرک تھے ان کے نتیجے کیا ہوئے؟ رسولوں کی نہ ماننے اللہ کے ساتھ کفر کرنے کا کیا وبال ان پر آیا؟ یہ دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔

فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ
لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّ عُورٌ ۚ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ
وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نَفْسَهُ يَمْهَدُونَ ۚ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝

پس تو اپنا رخ اس سچے اور سیدھے دین کی طرف ہی رکھ اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس کی بازگشت اللہ کی طرف سے ہے ہی نہیں۔ اس دن سب متفرق ہو جائیں گے ○ کفر کرنے والوں پر ان کا کفر ہوگا اور نیک عمل کرنے والے اپنی ہی آرام گاہ سنوار رہے ہیں ○ تاکہ اللہ انہیں اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ کافروں کو دوست رکھتا ہی نہیں ○

اللہ کے دین میں مستحکم ہو جاؤ: ☆ ☆ (آیت: ۴۳-۴۵) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دین پر جم جانے کی اور چستی سے اللہ کی فرمانبرداری کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے 'مضبوط دین کی طرف ہم تن متوجہ ہو جاؤ۔ اس سے پہلے کہ قیامت کا دن آجائے۔ جب اس کے آنے کا اللہ کا حکم ہو چکے گا پھر اس حکم کو یا اس آنے والی ساعت کو کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ اس دن نیک بد علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔ ایک جماعت جنت میں ایک جماعت بھڑکتی ہوئی آگ میں۔ کافر اپنے کفر کے بوجھ تلے دب رہے ہوں گے۔ لوگ اپنے کئے ہوئے نیک اعمال کے بہترین آرام دہ ذخیرے پر خوش و خرم ہوں گے۔ رب انہیں ان کی نیکیوں کا اجر بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر کئی گنا کر کے دے رہا ہوگا۔ ایک ایک نیکی دس دس بلکہ سات سات سو بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ کر کے انہیں ملے گی۔ کفار اللہ کے دوست نہیں لیکن تاہم ان پر بھی ظلم نہ ہوگا۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ مُبَشِّرَاتٍ وَ لِيَذِيقَكُمْ
مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا
إِلَى قَوْمِهِمْ فَبَجَّأُوا وَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا
وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اس کی نشانیوں میں سے خوش خبریاں دینے والی ہواؤں کا چلنا بھی ہے اس لئے کہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور اس لئے کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور اس لئے کہ اس کے فضل کو تم ڈھونڈو اور اس لئے کہ تم شکر گزار رہو ○ ہم نے تجھ سے پہلے بھی اپنے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ وہ ان کے پاس واپس لائے۔ پھر ہم نے گنہگاروں سے انتقام لیا، ہم پر مومنوں کی مدد لازم ہے ○

مسلمان بھائی کی اعانت پر جہنم سے نجات کا وعدہ: ☆ ☆ (آیت: ۴۶-۴۷) بارش کے آنے سے پہلے بھینی بھینی ہواؤں کا چلنا اور لوگوں کو بارش کی امید دلانا اس کے بعد مینہ برسانا تاکہ بستیاں آباد رہیں اور جاندار زندہ رہیں، سمندروں اور دریاؤں میں جہاز اور کشتیاں

چلیں۔ کیونکہ کشتیوں کا چلنا بھی ہوا پر موقوف ہے۔ اب تم اپنی تجارت اور کھائی دھندے کے لئے ادھر سے ادھر جا آ سکو۔ پس تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ان بیشمار ان گنت نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کرو۔ پھر اپنے نبی کو تسکین اور تسلی دینے کے لئے فرماتا ہے کہ اگر آپ کو لوگ جھٹلاتے ہیں تو آپ اسے کوئی انوکھی بات نہ سمجھیں۔ آپ سے پہلے کے رسولوں کو بھی ان کی امتوں نے ایسے ہی میڑھے ترچھے فقرے سنائے ہیں۔ وہ بھی صاف روشن اور واضح دلیلیں، معجزے اور احکام لائے تھے بالآخر جھٹلانے والے عذاب کے شکنجے میں کس دیئے گئے اور مومنوں کو اس وقت ہر قسم کی برائی سے نجات ملی۔ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے نفس کریم پر یہ بات لازم کر لی ہے کہ وہ اپنے با ایمان بندوں کو مدد دے گا۔ جیسے فرمان ہے کَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ابْنِ ابی حاتم میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی آبرو بچالے اللہ پر حق ہے کہ وہ اس سے جہنم کی آگ کو ہٹالے۔ پھر آپ نے پڑھا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ۔

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ
كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ
فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٥٨﴾
وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ ﴿٥٩﴾
فَانْظُرْ إِلَىٰ أَثَرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُخَيِّ الْأَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا إِنَّ ذَلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٦٠﴾
وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ
يَكْفُرُونَ ﴿٦١﴾

اللہ تعالیٰ ہوائیں چلاتا ہے۔ وہ ابر کو اٹھاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی منشا کے مطابق اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ پھر تیرے دیکھتے ہوئے اس کے اندر سے قطرے نکلتے ہیں اور جنہیں اللہ چاہتا ہے ان اپنے بندوں پر وہ پانی برساتا ہے تو وہ خوش خوش ہو جاتے ہیں ○ یقین ماننا کہ بارش ان پر برسے اس سے پہلے پہلے تو نا امید ہو رہے تھے ○ پس تو رحمت الہی کے آثار دیکھ کہ زمین کی موت کے بعد کس طرح اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر دیتا ہے؟ کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور اگر ہم بادند جلا دیں اور یہ لوگ انہیں کھیتوں کو مر جھائی ہوئی زرد پڑی ہوئی دیکھ لیں تو پھر اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں ○

ناامیدی کے اندھیروں میں امید کے اجالے رحمت و رحمت کی ہوائیں ☆ ☆ (آیت: ۳۸-۵۱) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں یا تو سمندر پر سے یا جس طرح اور جہاں سے اللہ کا حکم ہو۔ پھر رب العالمین ابر کو آسمانوں پر پھیلا دیتا ہے۔ اسے بڑھا دیتا ہے۔ تھوڑے کو زیادہ کر دیتا ہے۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بالشت دو بالشت کا ابراٹھا۔ پھر جو وہ پھیلا تو آسمان کے کنارے ڈھانپ لئے اور کبھی یہ بھی دیکھا ہوگا کہ سمندروں سے پانی کے بھرے ابراٹھے ہیں۔ اسی مضمون کو آیت وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ الخ میں

بیان فرمایا ہے۔ پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ وہ پانی سے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ زمین کے قریب ہو جاتے ہیں۔ پھر بارش ان بادلوں کے درمیان سے برسنے لگتی ہے جہاں برسی وہیں کے لوگوں کی باجھیں کھل گئیں۔ پھر فرماتا ہے یہی لوگ بارش سے ناامید ہو چکے تھے اور پوری ناامیدی کے وقت بلکہ ناامیدی کے بعد ان پر بارشیں برسیں اور جل تھل ہو گئے۔ دودفعہ مِنْ قَبْلِ کَالْفَظ لَانَا تَا کید کے لئے ہے۔ ہ کی ضمیر کا مرجع اِنْزَال ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تائیدی دلائل ہو۔ یعنی بارش ہونے سے پہلے یہ اس کے محتاج تھے اور وہ حاجت پوری ہو اس سے پہلے وقت کے ختم ہو جانے کے قریب بارش نہ ہونے کی وجہ سے یہ مایوس ہو چکے تھے۔

پھر اس ناامیدی کے بعد دفعتاً ابراہیمؑ اٹھتا ہے اور برس جاتا ہے اور ریل پیل کر دیتا ہے اور ان کی خشک زمین تر ہو جاتی ہے خط سالی تر سالی سے بدل جاتی ہے۔ یا تو زمین صاف چمنیل میدان تھی یا ہر طرف ہریا دل دکھائی دینے لگتی ہے۔ دیکھ لو کہ پروردگار عالم بارش سے کس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے؟ یاد رکھو جس رب کی یہ قدرت تم دیکھ رہے ہو وہ ایک دن مردوں کو ان کی قبروں سے بھی نکالے والا ہے حالانکہ ان کے جسم گل سڑ گئے ہوں گے۔ سمجھ لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر فرماتا ہے اگر ہم بادتند چلا دیں اگر اندھیاں آ جائیں اور ان کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں پر مردہ ہو جائیں تو وہ پھر سے کفر کرنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ سورہ واقعہ میں بھی یہی بیان ہوا ہے۔ اَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ سے مَحْرُوثٌ تک حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ہوائیں آٹھ قسم کی ہیں چار رحمت کی، چار زحمت کی۔ ناشرات، مبشرات، مرسلات اور زاریات تو رحمت کی ہیں اور عقیق، صرصر، عاف اور قاصف عذاب کی۔ ان میں پہلی دو خشکیوں کی ہیں اور آخری دو تری کی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں ہوائیں دوسری سے مسخر ہیں یعنی دوسری زمین سے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی ہلاکت کا ارادہ کیا تو ہواؤں کے دروازہ کو یہ حکم دیا، اس نے دریافت کیا کہ جناب باری کیا ہواؤں کے خزانے میں اتنا سوراخ کر دوں جتنا بیل کا نتھنا ہوتا ہے؟ تو فرمان اللہ ہوا کہ نہیں نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو کل زمین اور زمین کی پوری چیزیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ اتنا نہیں بلکہ اتنا روزن کرو جتنا انگوٹھی میں نگینہ ہوتا ہے۔ اب صرف اتنے سے سوراخ سے وہ ہوا چلی جو جہاں پہنچی وہاں بھس اڑا دیا۔ جس چیز پر سے گزری اسے بے نشان کر دیا۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

فَإِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمَعُ الصَّمَرَ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا
مُذْبِرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ بِهَادٍ الْعَمَىٰ عَنْ ضَلَّاتِهِمْ إِنْ تَسْمَعُ
إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝

۱۳

بے شک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتا ہے جبکہ پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ہیں اور نہ تو انہوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت کرنے والا ہے تو تو صرف ان ہی لوگوں کو سنا سکتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہیں بھی وہ اطاعت گزار ○

مسئلہ سماع موتی: ☆ ☆ (آیت: ۵۲-۵۳) باری تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ جس طرح یہ تیری قدرت سے خارج ہے کہ مردوں کو جو قبروں میں ہوں تو اپنی آواز سنا سکے اور جس طرح یہ ناممکن ہے کہ بہرے شخص کو جبکہ وہ پیٹھ پھیرے منہ موڑے جا رہا ہو تو اپنی بات سنا سکے۔ اسی طرح سے جو حق سے اندھے ہیں تو ان کی رہبری ہدایت کی طرف نہیں کر سکتا۔ ہاں اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ جب وہ چاہے مردوں کو زندوں کی آواز بھی سنا سکتا ہے۔ ہدایت و ضلالت اس کی طرف سے ہے۔ تو صرف انہیں سنا سکتا ہے جو باایمان ہوں اور اللہ کے سامنے جھکنے والے اس کے

فرمانبردار ہوں۔ یہ لوگ حق کو سنتے ہیں اور مانتے بھی ہیں۔ یہ تو حالت مسلمان کی ہوئی اور اس سے پہلے جو حالت بیان ہوئی وہ کافر کی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الحِثْرٰی پکارو یہی قبول کریں گے جو کان دھر کر سنیں گے۔ مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا۔ پھر سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان مشرکین سے جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے تھے اور بدر کی کھائیوں میں ان کی لاشیں پھینک دی گئی تھیں ان کی موت کے تین دن بعد ان سے خطاب کر کے انہیں ڈانٹا اور غیرت دلائی۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ان سے خطاب کرتے ہیں جو مر کر مردہ ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم بھی میری اس بات کو جو میں انہیں کہہ رہا ہوں اتنا نہیں سنتے جتنا یہ سن رہے ہیں۔ ہاں وہ جواب نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہؓ نے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی زبانی سن کر فرمایا کہ آپ نے یوں فرمایا ہے کہ وہ اب بخوبی جانتے ہیں کہ جو میں ان سے کہتا تھا وہ حق ہے۔ پھر آپ نے مردوں کے نہ سن سکنے پر اسی آیت سے استدلال کیا کہ اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتٰی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا تھا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی یہ بات انہوں نے سن لی تا کہ انہیں پوری ہدایت اور کافی شرم ساری ہو۔ لیکن علماء کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بالکل صحیح ہے کیونکہ اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ ابن عبدالبر نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً ایک روایت صحت کر کے وارد کی ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے یہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام کرتا ہے تو اللہ اس کی روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جواب دے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشِیْبَةً یَّخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾

اللہ وہ ہے کہ جس نے کمزوری کی حالت میں پیدا کیا۔ پھر اس کمزوری کے بعد توانائی دی۔ پھر اس توانائی کے بعد کمزوری اور بڑھاپا کر دیا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ سب سے پورا واقف اور سب پر پورا قادر ہے ○

پیدائش انسان کی مرحلہ وار روداد: ☆☆ (آیت ۵۴) انسان کی ترقی و تنزل اس کی اصل تو مٹی سے ہے۔ پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے پھر اسے ہڈیاں پہنائی جاتی ہیں پھر ہڈیوں پر گوشت پوست پہنایا جاتا ہے پھر روح پھونکی جاتی ہے پھر ماں کے پیٹ سے ضعیف و نحیف ہو کر نکلتا ہے۔ پھر تھوڑا تھوڑا بڑھتا جاتا ہے۔ اور مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ پھر بچپن کے زمانے کی بہاریں دیکھتا ہے۔ پھر جوانی کے قریب پہنچتا ہے۔ پھر جوان ہوتا ہے۔ آخر نشوونما موقوف ہو جاتی ہے۔ اب قوی پھر متحمل ہونے شروع ہوتے ہیں۔ طاقتیں گھٹنے لگتی ہیں۔ ادھیڑ عمر کو پہنچتا ہے۔ پھر بڑھا ہوتا ہے۔ پھر بڑھا پھوس ہو جاتا ہے۔ طاقت کے بعد یہ کمزوری بھی قابلِ عبرت ہوتی ہے۔ کہ ہمت پست ہے۔ دیکھنا سننا چلنا پھرنا اٹھنا اچکنا پکڑنا غرض ہر طاقت گھٹ جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ بالکل جواب دے جاتی ہے اور ساری صفیں متغیر ہو جاتی ہیں۔ بدن پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ رخسار چپک جاتے ہیں دانت ٹوٹ جاتے ہیں بال سفید ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے قوت کے بعد کی ضعیفی اور بڑھاپا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بنانا بگاڑنا اس کی قدرت کے ادنیٰ کرشمے ہیں۔ ساری مخلوق اس کی غلام وہ سب کا مالک وہ عالم و قادر نہ اس کا سا کسی کا علم نہ اس جیسی کسی کی قدرت۔ حضرت عطیہ عوفی کہتے ہیں میں نے اس آیت کو ضَعْفًا تک حضرت ابن عمرؓ کے سامنے پڑھا تو آپ نے بھی اسے تلاوت کی اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس

آیت کو اتنا ہی پڑھا تھا جو آپ پڑھنے لگے جس طرح میں نے تمہاری قراءت پر قراءت شروع کر دی۔ (ابوداؤد ترمذی مسند احمد)

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ
كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ
فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَا
يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذَرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝

جس وقت قیامت برپا ہو جائے گی، گنہگار لوگ قسمیں کھانے لگیں گے کہ ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے۔ اسی طرح یہ بہکے ہوئے ہی رہے ○ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا ہے وہ جواب دیں گے کہ تم تو جیسا کہ کتاب اللہ میں ہے، یوم قیامت تک ٹھہرے رہے۔ آج کا یہ دن قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم تو یقین ہی نہیں مانتے تھے ○ آج ظالموں کو ان کی عذر معذرت کچھ کام نہ آئے گی اور نہ ان سے توبہ طلب کی جائے گی ○

واپسی ناممکن ہوگی: ☆ ☆ (آیت: ۵۵-۵۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفار دنیا اور آخرت کے کاموں سے بالکل جاہل ہیں۔ دنیا میں ان کی جہالت تو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے رہے اور آخرت میں یہ جہالت کریں گے کہ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم دنیا میں صرف ایک ساعت ہی رہے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں ہم پر کوئی حجت قائم نہیں ہوئی۔ ہمیں معذور سمجھا جائے۔ اسی لئے فرمایا کہ یہ جیسے یہاں بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں دنیا میں یہ بہکے ہوئے ہی رہے۔ فرماتا ہے کہ علماء کرام جس طرح ان کے اس کہنے پر دنیا میں انہیں دلائل دے کر قائل معقول کرتے رہے، آخرت میں بھی ان سے کہیں گے کہ تم جھوٹی قسمیں کھا رہے ہو۔ تم کتاب اللہ یعنی کتاب الاعمال میں اپنی پیدائش سے لے کر جی اٹھنے تک ٹھہرے رہے لیکن تم بے علم اور نرے جاہل لوگ ہو۔ پس قیامت کے دن ظالموں کو اپنے کروت سے معذرت کرنا محض بے سود رہے گا اور وہ دنیا کی طرف لوٹائے نہ جائیں گے۔ جیسے فرمان ہے وَإِنْ يَسْتَعْتَبُوا فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ یعنی اگر وہ دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں تو لوٹ نہیں سکتے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ
جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ۝
كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝
فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ۝

بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سامنے کل مثالیں بیان کر دی ہیں تو ان کے پاس کوئی بھی نشان لایہ کافر یہی کہیں گے کہ تم یہودہ گوجھوٹے ہو ○ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو بھیج نہیں رکھے، یوں ہی مہر کر دیتا ہے ○ تو صبر کر۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے تجھے وہ لوگ خفیف نہ کر دیں جو یقین نہیں رکھتے ○

نماز میں مقتدی اور امام کا تعلق: ☆ ☆ (آیت: ۵۸-۶۰) حق کو ہم نے اس پاک کلام میں پوری طرح واضح کر دیا ہے اور مثالیں دے

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ○ جو نیک کاروں کے لئے رہبر اور سرسراہٹ ہے ○ جو لوگ نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں اور آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں ○ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں ○ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مومنوں لیتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو راہ الہی سے بہکائیں اور اسے نہی بنائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کرنے والے عذاب ہیں ○

ہدایت یافتہ کتاب: ☆☆ (آیت: ۱-۵) سورۃ بقرہ کی تفسیر کے اول میں ہی حروف مقطعات کے معنی اور مطلب کی توضیح کر دی گئی ہے۔ یہ قرآن ہدایت، شفا اور رحمت ہے ان نیک کاروں کے لئے جو شریعت کے پورے پابند ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں۔ ارکان اوقات وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ہی نوافل سنت وغیرہ بھی نہیں چھوڑتے۔ فرض زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، صلہ رحمی، سلوک و احسان، سخاوت اور داد و دہش کرتے رہتے ہیں۔ آخرت کی جزا کا انہیں کامل یقین ہے۔ اس لئے اللہ کی طرف پوری رغبت کرتے ہیں، ثواب کے کام کرتے ہیں اور رب کے اجر پر نظریں رکھتے ہیں۔ نہ ریا کاری کرتے ہیں نہ لوگوں سے داد چاہتے ہیں۔ ان اوصاف والے راہ یافتہ ہیں۔ راہ اللہ پر لگا دیئے گئے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو دین و دنیا میں فلاح، نجات اور کامیابی حاصل کریں گے۔

لہو و لعب، موسیقی اور لغو باتیں: ☆☆ (آیت: ۶) اوپر بیان ہوا تھا نیک بختوں کا جو کتاب اللہ سے ہدایت پاتے تھے اور اسے سن کر نفع اٹھاتے تھے۔ تو یہاں بیان ہو رہا ہے ان بد بختوں کا جو کلام الہی کو سن کر نفع حاصل کرنے سے باز رہتے ہیں اور بجائے اس کے گانے بجانے باجے گائے، ڈھول تاشے سنتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، قسم اللہ کی اس سے مراد گانا اور راگ ہے۔ ایک اور جگہ ہے کہ آپ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے تین دفعہ قسم کھا کر فرمایا کہ اس سے مقصد گانا اور راگ اور راگنیاں ہیں۔ یہی قول حضرت ابن عباسؓ، جابرؓ، عمرؓ، سعید بن جبیرؓ، مجاہدؓ، مکحولؓ، عمرو بن شعیبؓ، علی بن بزیرؓ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت گانے بجانے، باجوں گاجوں کے بارے میں اتری ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف وہی نہیں جو اس لہو و لعب میں پیسے خرچے، یہاں مراد خرید سے اسے محبوب رکھنا اور پسند کرنا ہے۔ انسان کو یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ باطل کی بات کو حق بات پر پسند کر لے۔ اور نقصان کی چیز کو نفع کی بات پر مقدم کر لے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لغو بات خریدنے سے مراد گانے والی لونڈیوں کی خریداری ہے چنانچہ ابن ابی حاتم وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ گانے والیوں کی خرید و فروخت حلال نہیں اور ان کی قیمت کا کھانا حرام ہے، انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس حدیث کو لائے ہیں اور اسے غریب کہا ہے اور اسکے ایک راوی علی بن یزید کو ضعیف کہا ہے۔ میں کہتا ہوں، خود علی ان کے استاد اور ان کے تمام شاگرد ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔

ضحاک کا قول ہے کہ مراد اس سے شرک ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو اللہ سے اور اتباع شرع سے روکے، وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ اس سے غرض اس کی اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت ہوتی ہے۔ ایک قراءت میں لیضل ہے تو لام لام عاقبت ہوگا یا لام عمل ہوگا۔ یعنی امر تقدیری ان کی اس کارگزاری سے ہو کر رہے گا۔ ایسے لوگ اللہ کی راہ کو نہی بنا لیتے ہیں۔ آیات الہی کو بھی مذاق میں اڑاتے ہیں۔ اب ان کا انجام بھی سن لو کہ جس طرح انہوں نے اللہ کی راہ کی، کتاب اللہ کی اہانت کی، قیامت کے دن ان کی اہانت ہوگی اور خطرناک عذاب میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔

وَإِذَا تَلَّى عَلَيْهِ الْيَتَامَىٰ وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَانُوا لَمْ يَسْمَعُهَا
كَانَ فِي أُذُنِهِ وَقَرَأَ فَبَشَّرَهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ۚ خَالِدِينَ فِيهَا وَعَدَ
اللَّهُ حَقًّا ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ٹینٹ ہیں۔
تو اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دے ○ بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کام بھی مطابق سنت کئے ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں ○ جہاں وہ
ہمیشہ رہیں گے اللہ کا سچا وعدہ ہے وہ بہت بڑی عزت والا اور کامل حکمت والا ہے ○

(آیت: ۷) پھر بیان ہو رہا ہے کہ یہ بدنصیب جو کھیل تماشاں باجوں گا جوں پُر راگ راگنیوں پر تبجھا ہوا ہے یہ قرآن کی آیتوں
سے بھاگتا ہے کان ان سے بہرے کر لیتا ہے یہ اسے اچھی نہیں معلوم ہوتیں سن بھی لیتا ہے تو بے سنی کر دیتا ہے۔ لیکن ان کا سننا اسے ناگوار
گزرتا ہے۔ کوئی مزہ نہیں آتا۔ وہ اسے فضول کام قرار دیتا ہے چونکہ اس کی کوئی اہمیت اور عزت اس کے دل میں نہیں اس لئے وہ ان سے کوئی
نفع حاصل نہیں کر سکتا وہ تو ان سے محض بے پرواہ ہے۔ یہ یہاں اللہ کی آیتوں سے اکتاتا ہے تو قیامت کے دن عذاب بھی وہ ہوں گے کہ اکتا
اکتا اٹھے۔ یہاں آیات قرآنی سن کر اسے دکھ ہوتا ہے۔ وہاں دکھ دینے والے عذاب اسے بھگتے پڑیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے ملتے نہیں: ☆ ☆ (آیت: ۸-۹) نیک لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ جو اللہ پر ایمان لائے رسول کو ماننے
رہے شریعت کی ماتحتی میں نیک کام کرتے رہے ان کے لئے جنتیں ہیں جن میں طرح طرح کی نعمتیں لذیذ غذائیں بہترین پوشاکیں عمدہ
عمدہ سواریاں پاکیزہ نورانی چہروں والی بیویاں ہیں۔ وہاں انہیں اور ان کی نعمتوں کو دوام ہے کبھی زوال نہیں۔ نہ تو یہ مریں ندان کی نعمتیں فنا
ہوں نہ کم ہوں نہ خراب ہوں۔ یہ حتماً اور یقیناً ہونے والا ہے کیونکہ اللہ فرما چکا ہے اور رب کی باتیں بدلتی نہیں اس کے وعدے ملتے نہیں۔ وہ
کریم ہے منان ہے محسن ہے منعم ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے عزیز ہے سب کچھ اس کے قبضے میں ہے حکیم ہے۔ کوئی کام
کوئی بات کوئی فیصلہ خالی از حکمت نہیں۔ اس نے قرآن کریم کو مومنوں کے لئے ہادی اور شافی بنایا ہے۔ ہاں بے ایمانوں کے کانوں میں
بوجھ ہیں اور آنکھوں میں اندھیرا ہے۔ اور آیت ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ یعنی جو قرآن ہم نے
نازل فرمایا ہے وہ مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالم تو نقصان میں ہی بڑھتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ وَالْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ
أَن تَمِيدَ بِكُمْ ۖ وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ ۖ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۚ هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَا
ذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ ۚ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۚ

ای نے آسمانوں کو بغیر ستون پیدا کیا ہے تم انہیں دیکھ رہے ہو اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ تمہیں جنبش نہ دے سکے اور ہر طرح کے جاندار زمین

میں پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسا کر زمین میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اگادیئے ○ یہ ہے مخلوق اللہ اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ، کچھ نہیں بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ○

پہاڑوں کی میخیں: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ زمین و آسمان اور ساری مخلوق کا خالق صرف وہی ہے۔ آسمان کو اس نے بے ستون اونچا رکھا ہے۔ واقع ہی میں کوئی ستون ہے نہیں۔ گویا ہڈ کا یہ قول بھی ہے کہ ستون ہمیں نظر نہیں آتے۔ اس مسئلہ کا پورا فیصلہ میں سورۃ رعد کی تفسیر میں لکھ چکا ہوں اس لئے یہاں دوہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ زمین کو مضبوط کرنے کے لئے اور ہلنے جلنے سے بچانے کے لئے اس نے اس میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ وہ تمہیں زلزلے اور جنبش سے بچالے۔ اس قدر قسم قسم کے، بھانت بھانت کے جاندار اس خالق حقیقی نے پیدا کئے کہ آج تک ان کا کوئی حصر نہیں کر سکا۔ اپنا خالق اور اخلق ہونا بیان فرما کر اب رازق اور رزاق ہونا بیان فرما رہا ہے کہ آسمان سے بارش اتار کر زمین میں سے طرح طرح کی پیداوار اگادی، جو دیکھنے میں خوش منظر، کھانے میں بے ضرر، نفع میں بہت بہتر، شعی کا قول ہے کہ انسان بھی زمین کی پیداوار ہے، جنتی کریم ہیں اور دوزخی لئیم ہیں۔ اللہ کی یہ ساری مخلوق تو تمہارے سامنے ہے۔ اب جنہیں تم اس کے سوا پوجتے ہو، ذرا بتاؤ تو ان کی مخلوق کہاں ہے؟ جب نہیں تو وہ خالق نہیں اور جب خالق نہیں تو معبود نہیں، پھر ان کی عبادت زرا ظلم اور سخت نا انصافی ہے۔ فی الواقع اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں سے زیادہ اندھا بہرا، بے عقل، بے علم، بے سمجھ، بے وقوف اور کون ہوگا؟

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ وَمَنْ يَشْكُرْ
فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت دی تھی کہ تو اللہ کا شکر کر، ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے۔ جو بھی ناشکری کرے وہ جان لے کہ اللہ تو بے نیاز اور تعریفوں والا ہے ○

حضرت لقمان نبی تھے یا نہیں؟ ☆☆ (آیت: ۱۲) اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے یا نہ تھے؟ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔ پر ہیزگار دلی اور اللہ کے پیارے بزرگ بندے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حبشی تھے اور بڑھئی تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، حضرت لقمان پستہ قد، اونچی ناک والے، موٹے ہونٹ والے نوبی تھے۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ مصر کے رہنے والے حبشی تھے۔ آپ کو حکمت عطا ہوئی تھی لیکن نبوت نہیں ملی تھی۔ آپ نے ایک مرتبہ ایک سیاہ رنگ غلام حبشی سے فرمایا، اپنی رنگت کی وجہ سے اپنے تئیں حقیر نہ سمجھ، تین شخص جو تمام لوگوں سے اچھے تھے، تینوں سیاہ رنگ تھے۔ حضرت بلالؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسالت پناہ کے غلام تھے، حضرت مجبج جو جناب فاروق اعظمؓ کے غلام تھے اور حضرت لقمان حکیم جو حبشہ کے نوبہ تھے۔

حضرت خالد ربعیؓ کا قول ہے کہ حضرت لقمان جو حبشی غلام بڑھئی تھے، ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے۔ کچھ دنوں بعد پھر ان کے آقا نے بھی حکم کیا اور کہا کہ آج اس کے سارے گوشت میں سے جو بدترین اور خبیث ٹکڑے ہوں، وہ لاؤ۔ آپ آج بھی یہی دو چیزیں لے گئے۔ مالک نے پوچھا، اس کی کیا وجہ کہ بہترین ٹکڑے تجھ سے مانگے تو تو یہی دو لایا اور بدترین مانگے تو تو نے یہی لا دیئے۔ یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا، جب یہ اچھے

رہیں تو ان سے بہترین جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ برے بن جائیں تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔

حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ نیک بندے تھے۔ سیاہ فام غلام تھے۔ مولے ہونوں والے اور بھرے قدموں والے۔ اور بزرگ سے یہ بھی مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے۔ ایک اور قول ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک چرواہے نے آپ کو دیکھ کر کہا، کیا تو وہی نہیں ہے جو میرے ساتھ فلاں فلاں جگہ بکریاں چرایا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں۔ اس نے کہا، پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا سچ بولنے اور بے کار کلام نہ کرنے سے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بلندی کی وجہ یہ بیان کی کہ اللہ کا فضل اور امانت کی ادائیگی اور کلام کی سچائی اور بے نفع کاموں کا چھوڑ دینا۔ الغرض ایسے ہی آثار صاف ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔ بعض روایتیں اور بھی ہیں جن میں گوصراحت نہیں کہ آپ نبی نہ تھے لیکن ان میں بھی آپ کا غلام ہونا بیان کیا گیا ہے جو ثبوت ہے اس امر کا کہ آپ نبی نہ تھے کیونکہ غلامی نبوت کے خلاف ہے۔ انبیاء علیہم السلام عالی نسب اور عالی خاندان ہوا کرتے تھے۔

اسی لئے جمہور سلف کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ ہاں حضرت عکرمہؒ سے مروی ہے کہ آپ نبی تھے لیکن یہ بھی جب کہ سند صحیح ثابت ہو جائے لیکن اس کی سند میں جابر بن یزید جھٹی ہیں جو ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حکیم سے ایک شخص نے کہا، کیا تو بنی حساس کا غلام نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوں۔ اس نے کہا، کیا تو بکریوں کا چرواہا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوں۔ کہا، کیا تو سیاہ رنگ نہیں؟ آپ نے فرمایا ظاہر ہے، میں سیاہ رنگ ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا، یہی کہ پھر وہ کیا ہے کہ تیری مجلس پر رہتی ہے۔ لوگ تیرے دروازے پر آتے رہتے ہیں اور تیری باتیں شوق سے سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، سنو بھائی، جو باتیں میں تمہیں کہتا ہوں ان پر عمل کرو تو وہ تم بھی مجھ جیسے ہو جاؤ گے۔ آنکھیں حرام چیزوں سے بند کرلو۔ زبان بیہودہ باتوں سے روک لو۔ مال حلال کھایا کرو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔ زبان سے سچ بات بولا کرو۔ وعدے کو پورا کیا کرو۔ مہمان کی عزت کرو۔ پڑوسی کا خیال رکھو۔ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دو۔ انہی عادتوں کی وجہ سے میں نے بزرگی پائی ہے۔

ابو داؤد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضرت لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے امیر اور بہت زیادہ کنبے قبیلے والے نہ تھے۔ ہاں ان میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش خلق، خاموش، غور و فکر کرنے والے، گہری نظر والے، دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے تھوکتے نہ تھے نہ پاخانہ پیشاب اور غسل کرتے تھے، لغو کاموں سے دور رہتے تھے، ہنستے نہ تھے، جو کلام کرتے تھے، حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا، جس وقت ان کی اولاد فوت ہوئی، یہ بالکل نہیں روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اس لئے جاتے تھے کہ غور و فکر اور عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں بزرگی ملی۔ حضرت قتادہؒ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت و نبوت کے قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی۔ راتوں رات ان پر حکمت بر سادی گئی اور رگ و پے میں حکمت بھر دی گئی۔ صبح کو ان کی باتیں اور ان کی عادتیں سب حکیمانہ ہو گئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر اللہ مجھے نبی بنا دیتا تو اور بات تھی۔ ممکن تھا کہ منصب نبوت کو میں نبھا جاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو، میں نبوت کا بوجھ نہ سہا رسکوں۔ اس لئے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ اس روایت کے ایک راوی سعید بن بشیر ہیں جن میں ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت قتادہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، مراد حکمت سے اسلام کی سمجھ ہے۔ حضرت لقمان نہ نبی تھے نہ ان پر وحی آئی تھی۔ پس سمجھ، علم اور عبرت مراد ہے۔ ہم نے انہیں اپنا شکر بجالانے کا حکم فرمایا تھا کہ میں نے تجھے جو علم و عقل دی ہے اور دوسروں پر جو بزرگی عطا

فرمائی ہے اس پر تو میری شکر گزاری کر۔ شکر گزار کچھ مجھ پر احسان نہیں کرتا۔ وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلَا نَفْسَ لَهُمْ بِمَهْدُوْنَ نیکے والے اپنے لئے بھی بھلا تو شہ تیار کرتے ہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ کو اس کی ناشکری ضرر نہیں پہنچا سکتی وہ اپنے بندوں سے بے پرواہ ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں وہ سب سے بے نیاز ہے ساری زمین والے بھی اگر کافی ہو جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ سب سے غنی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔

وَإِذْ قَالَ لُقْمَنُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَبْنَىٰ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ
إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ
أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصْلُہُ فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِي
وَلِوَالِدَيْكَ إِلَى الْمَصِيرِ ۝ وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي
مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا
وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنْابَ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَإُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

جبکہ لقمان نے وعظ کہتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا۔ بیشک شرک بڑا بھاری ظلم ہے ○ ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھٹائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر میری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے ○ اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو تمہارا نسب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کروں گا ○

حضرت لقمان کی اپنے بیٹوں کو نصیحت و وصیت: ☆ ☆ (آیت: ۱۳-۱۵) حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادے کو جو نصیحت و وصیت کی تھی اس کا بیان ہو رہا ہے۔ یہ لقمان بن عقیق بن سدون تھے۔ ان کے بیٹے کا نام سبیلی کے بیان کی رو سے ثاران ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر اچھائی سے کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ انہیں حکمت و عنایت فرمائی گئی تھی۔ انہوں نے جو بہترین وعظ اپنے لڑکے کو سنایا تھا اور انہیں مفید ضروری اور عمدہ نصیحتیں کی تھیں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اولاد سے زیادہ پیاری چیز انسان کو اور کوئی نہیں ہوتی اور انسان اپنی بہترین اور انمول چیز اپنی اولاد کو دینا چاہتا ہے۔ تو سب سے پہلے یہ نصیحت کی کہ صرف اللہ کی عبادت کرنا۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ یاد رکھو اس سے بڑی بے حیائی اس سے زیادہ برا کام اور کوئی نہیں۔ حضرت عبداللہؑ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ جب آیت اَلَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اتری تو اصحاب رسول اللہ ﷺ پر بڑی مشکل آ پڑی اور انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے وہ کون ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو؟ اور آیت میں ہے کہ ایمان کو جنہوں نے ظلم سے نہیں ملایا وہی با امن اور راہ راست والے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ظلم سے مراد عام گناہ نہیں ہیں بلکہ ظلم سے مراد وہ ظلم ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ یہ بڑا بھاری ظلم ہے۔

اس پہلی وصیت کے بعد حضرت لقمان دوسری وصیت کرتے ہیں اور وہ بھی دوزخ اور تاکید کے لحاظ سے۔ واقعہ ایسی ہی ہے کہ اس پہلی وصیت سے ملائی جائے۔ یعنی ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرنا جیسے فرمان جناب باری ہے وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا الخ یعنی تیرا رب یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک و احسان کرتے رہو۔ عموماً قرآن کریم میں ان دونوں چیزوں کا بیان ایک ساتھ ہے۔ یہاں بھی اسی طرح ہے۔ وہن کے معنی مشقت، تکلیف، ضعف وغیرہ کے ہیں۔ ایک تکلیف تو حمل کی ہوتی ہے جسے ماں برداشت کرتی ہے۔ حالت حمل کے دکھ درد کی حالت سب کو معلوم ہے پھر دو سال تک اسے دودھ پلاتی رہتی ہے اور اس کی پرورش میں لگی رہتی ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنَسِّمَ الرِّضَاعَةَ الخ یعنی جو لوگ اپنی اولاد کو پورا پورا دودھ پلانا چاہیں ان کے لئے آخری انتہائی سبب یہ ہے کہ دو سال کامل تک ان بچوں کو ان کی مائیں اپنا دودھ پلاتی رہیں۔ چونکہ ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا یعنی مدت حمل اور دودھ چھٹائی کل تیس ماہ ہے۔ اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے بڑے بڑے اماموں نے طلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے۔ ماں کی اس تکلیف کو اولاد کے سامنے اس لئے ظاہر کیا جاتا ہے کہ اولاد اپنی ماں کی ان بھربانیوں کو یاد کر کے شکر گزاری اطاعت اور احسان کرے۔ جیسے اور آیت میں فرمان عالیشان ہے وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ہم سے دعا کرو اور کہو کہ میرے سچے پروردگار میرے ماں باپ پر اس طرح رحم و کرم فرما جس طرح میرے بچپن میں وہ مجھ پر رحم و کرم کیا کرتے تھے۔ یہاں فرمایا تاکہ تو میرا اور اپنے ماں باپ کا احسان مند ہو۔ سن لئے آخری لوٹنا تو میری ہی طرف ہے اگر میری اس بات کو مان لیا تو پھر بہترین جزا دوں گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنا کر بھیجا آپ نے وہاں پہنچ کر سب سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ یہ پیغام لے کر کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو میری باتیں مانتے رہو میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ سب کو لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے۔ پھر یا تو جنت مکان بنے گی یا جہنم ٹھکانا ہوگا۔ پھر وہاں سے نہ اخراج ہوگا نہ موت آئے گی۔

پھر فرماتا ہے اگر تمہارے ماں باپ تمہیں اسلام کے سوا اور دین قبول کرنے کو کہیں گو وہ تمام تر طاقت خرچ کر ڈالیں خبردار تم ان کی مان کر میرے ساتھ ہرگز شرک نہ کرنا۔ لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ تم ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنا چھوڑ دو۔ نہیں۔ دنیوی حقوق جو تمہارے ذمہ ان کے ہیں ادا کرتے رہو۔ ایسی باتیں ان کی نہ مانو بلکہ ان کی تابعداری کرو جو میری طرف رجوع ہو چکے ہیں من لو تم سب لوٹ کر ایک دن میرے سامنے آنے والے ہو اس دن میں تمہیں تمہارے تمام تر اعمال کی خبر دوں گا۔ طبرانی کی کتاب العشرہ میں ہے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اور ان کا پورا اطاعت گزار تھا۔ جب مجھے اللہ نے اسلام کی طرف ہدایت کی تو میری والدہ مجھ پر بہت بگڑیں اور کہنے لگیں بچے یہ نیا دین تو کہاں سے نکال لایا۔ سنو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس دین سے دستبردار ہو جاؤ۔ ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور یونہی بھوکے مر جاؤں گی۔ میں نے اسلام کو چھوڑا نہیں اور میری ماں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور ہر طرف سے مجھ پر آوازہ کشی ہونے لگی کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے۔ میں بہت ہی دل تنگ ہوا۔ اپنی والدہ کی خدمت میں بار بار عرض کیا خوشامدیں کیں سمجھایا کہ اللہ کے لئے اپنی ضد سے باز آ جاؤ۔ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اس سچے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی ضد میں میری والدہ پر تین دن کا فاقہ گزر گیا اور اس کی حالت بہت ہی خراب ہو گئی تو میں اس کے

پاس گیا اور میں نے کہا 'میری اچھی اماں جان سنو تم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو لیکن میرے دین سے زیادہ عزیز نہیں۔ واللہ ایک نہیں تمہاری ایک سو جائیں بھی ہوں اور اسی بھوک پیاس میں ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تو بھی میں آخری لمحہ تک اپنے سچے دین اسلام کو نہ چھوڑوں گا۔ اب میری ماں مایوس ہو گئیں اور کھانا پینا شروع کر دیا۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمَوَاتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاتِ بِهَا اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلَاةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ ۚ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝

بیارے بیٹے اگر چہ کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ بھی خواہ کسی پتھر کے تلے ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو اسے اللہ تعالیٰ ضرور لائے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے ○ اے میرے بیٹے تو نماز قائم رکھنا اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تجھ پر آجائے صبر کرنا یقین مان کہ یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے ○ لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھلا اور زمین پر اترا کر اکڑ کر نہ چل کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا ○ اپنی رفتار میں میانہ روی کر اور اپنی آواز پست کر یقیناً بد سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے ○

قیامت کے دن اعلیٰ اخلاق کام آئے گا: ☆ ☆ (آیت: ۱۶-۱۹) حضرت لقمانؑ کی یہ اور وصیتیں ہیں اور چونکہ یہ سب حکمتوں سے پر ہیں قرآن انہیں بیان فرما رہا ہے تاکہ لوگ ان پر عمل کریں۔ فرماتے ہیں کہ برائی، خطا، ظلم چاہے رائی کے دانے برابر بھی ہو پھر وہ خواہ کتنا ہی پوشیدہ اور ڈھکا چھپا کیوں نہ ہو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے پیش کرے گا۔ میزان میں سب کو رکھا جائے گا اور بدلہ دیا جائے گا نیک کام پر جزا بد پر سزا جیسے فرمان ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لَخِ یعنی قیامت کے دن عدل کی ترازو رکھ کر ہر ایک کو بدلہ دیں گے۔ کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور آیت میں ہے ذرے برابر نیکی اور ذرے برابر برائی ہر ایک دیکھ لے گا خواہ وہ نیکی یا بدی کسی مکان میں، محل میں، قلعہ میں، پتھر کے سوراخ میں، آسمان کے کونوں میں، زمین کی تہہ میں ہو۔ کہیں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ وہ اسے لا کر پیش کرے گا وہ بڑے بلائیک علم والا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس پر ظاہر ہے۔ اندھیری رات میں چھوٹی جو چل رہی ہو اس کے پاؤں کی آہٹ کا بھی وہ علم رکھتا ہے۔ بعض نے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ انہما میں ضمیر شان کی اور قصہ کی ہے اور اس بنا پر انہوں نے مِثْقَال کی لام کا پیش پڑھنا بھی جائز رکھا ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ اچھی ہے۔ بعض کہتے ہیں صخرہ سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتویں آسمان اور زمین کے نیچے ہے۔ اس کی بعض سندیں بھی سدی نے ذکر کی ہیں اگر صحیح ثابت ہو جائیں۔ بعض صحابہؓ وغیرہ سے یہ مروی تو ہے۔ واللہ اعلم۔ بہت ممکن ہے کہ یہ بھی بنی اسرائیل سے منقول ہو لیکن ان کی کتابوں کی کسی بات کو ہم نہ سچی مان سکیں نہ جھٹلا سکیں۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقدر رائی کے دانہ کے کوئی عمل حقیر ہو اور ایسا پوشیدہ ہو کہ کسی پتھر کے اندر ہو۔ جیسے مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی عمل کرے

کسی بے سوراخ کے پتھر کے اندر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی ہو نہ سوراخ ہو تا ہم اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے گا خواہ کچھ ہی عمل ہو نیک ہو یا بد۔

پھر فرماتے ہیں: بیٹے نماز کا خیال رکھنا۔ اس کے فرائض، اس کے واجبات، ارکان، اوقات وغیرہ کی پوری حفاظت کرنا۔ اپنی طاقت کے مطابق پوری کوشش کے ساتھ اللہ کی باتوں کی تبلیغ اپنوں پر ایوں میں کرتے رہنا، بھلی باتیں کرنے اور بری باتوں سے بچنے کے لئے ہر ایک سے کہنا۔ اور چونکہ نیکی کا حکم یعنی بدی سے روکنا جو عموماً لوگوں کو کڑوی لگتی ہے۔ اور حق کو شخص سے لوہ دشمنی رکھتے ہیں۔ اس لئے ساتھ ہی فرمایا کہ لوگوں سے جو ایذا اور مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا، درحقیقت اللہ کی راہ میں ننگی شمشیر رہنا اور حق پر مصیبتیں جھیلتے ہوئے پست ہمت نہ ہونا یہ بڑا بھاری اور جوانمردی کا کام ہے۔ پھر فرماتے ہیں: اپنا منہ لوگوں سے نہ موڑنا نہیں حقیر سمجھ کر یا اپنے تئیں بڑا سمجھ کر لوگوں سے تکبر نہ کر۔ بلکہ نرمی برت، خوش خلقی سے پیش آ۔ خندہ پیشانی سے بات کر۔ حدیث شریف میں ہے: کسی مسلمان بھائی سے تو کشادہ پیشانی سے ہنس مکھ ہو کر مل لے یہ بھی تیری بڑی نیکی ہے۔ تہد اور پا جائے کو مخن سے بچنا نہ کر، یہ کبر و غرور ہے اور تکبر اور غرور اللہ کو ناپسند ہے۔ حضرت لقمان بھی اپنے بچے کو تکبر نہ کرنے کی وصیت کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو اللہ کے بندوں کو حقیر سمجھ کر تو ان سے منہ موڑ لے اور مسکینوں سے بات کرنے میں بھی شرمائے۔ منہ موڑے ہوئے باتیں کرنا بھی غرور میں داخل ہے۔ باچھیں پھاڑ کر لہجہ بدل کر حاکمانہ انداز کے ساتھ گھمنڈ بھرے الفاظ سے بات چیت بھی ممنوع ہے۔

صغیر ایک بیماری ہے جو اونٹوں کی گردن میں ظاہر ہوتی ہے یا سر میں اور اس سے گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ پس متکبر شخص کو اسی ٹیڑھے منہ والے شخص سے ملا دیا گیا ہے۔ عرب عموماً تکبر کے موقع پر صعر کا استعمال کرتے ہیں اور یہ استعمال ان کے شعروں میں بھی موجود ہے۔ زمین پر تن کر، آکر کر، اترا کر غرور و تکبر سے نہ چلو۔ یہ چال اللہ کو ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند رکھتا ہے جو خود میں متکبر سرکش اور فخر و غرور کرنے والے ہوں۔ اور آیت میں ہے وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا اَلْا یعنی اکڑ کر زمین پر نہ چلو۔ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔ اس آیت کی تفسیر بھی اس کی جگہ گزر چکی ہے۔ حضور کے سامنے ایک مرتبہ تکبر کا ذکر آ گیا تو آپ نے اس کی بڑی مذمت فرمائی۔ اور فرمایا کہ ایسے خود پسند مغرور لوگوں سے اللہ غصے ہوتا ہے۔ اس پر ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں جب کپڑے دھوتا ہوں اور خوب سفید ہو جاتے ہیں تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں ان سے خوش ہوتا ہوں۔ اسی طرح جوتے میں اچھا تسمہ بھلا لگتا ہے۔ کوڑے کا خوبصورت غلاف بھلا معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ تکبر نہیں ہے، تکبر اس کا نام ہے کہ تو حق کو حقیر سمجھے اور لوگوں کو ذلیل خیال کرے۔ یہ روایت اور طریق سے بہت لمبی مروی ہے اور اس میں حضرت ثابت کے انتقال اور ان کی وصیت کا ذکر بھی ہے۔

اور میانہ روی کی چال چلا کر نہ بہت آہستہ خراماں خراماں نہ بہت جلدی لمبے ڈگ بھر بھر کے۔ کلام میں مبالغہ نہ کر، بے فائدہ چیخ چلا نہیں۔ بدترین آواز گدھے کی ہے جو پوری طاقت لگا کر بے سود چلاتا ہے۔ باوجودیکہ وہ بھی اللہ کے سامنے اپنی عاجزی ظاہر کرتا ہے۔ پس یہ بری مثال دے کر سمجھا دیا کہ بلاوجہ چیخنا، ڈانٹ، ڈپٹ کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: بری مثالوں کے لائق ہم نہیں۔ اپنی دے دی ہوئی چیز کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو تے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ نسائی میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو اور جب گدھے کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو۔ اس لئے کہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے رات کو۔ واللہ اعلم۔

یہ وصیتیں حضرت لقمان حکیم کی نہایت ہی نفع بخش ہیں۔ قرآن حکیم نے اسی لئے بیان فرمائی ہیں۔ آپ سے اور بھی بہت حکیمانہ قول

اور وعظ و نصیحت کے کلمات مروی ہیں۔ بطور نمونہ کے اور دستور کے ہم بھی تھوڑے سے بیان کرتے ہیں۔ مسند میں بزبان رسول اللہ ﷺ حضرت لقمان حکیم کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اللہ کو جب کوئی چیز سوچ دی جائے اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور حدیث میں آپ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ تصنع سے بچ۔ یہ رات کے وقت ڈراؤنی چیز ہے اور دن کو مذمت و برائی والی چیز ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکمت سے مسکین لوگ باو شاہ بن جاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو پہلے اسلامی طریق کے مطابق سلام کرو۔ پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دوسرے نہ بولیں تو تم بھی خاموش رہو۔ اگر وہ لوگ ذکر اللہ کریں تو تم ان میں سب سے پہلے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو۔ اور اگر وہ گپ شپ کریں تو تم اس مجلس کو چھوڑ دو۔ مروی ہے کہ آپ اپنے بچے کو نصیحت کرنے کے لئے جب بیٹھے تو رائی کی بھری ہوئی ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی تھی اور ہر نصیحت کے بعد ایک دانہ اس میں سے نکال لیتے یہاں تک کہ تھیلی خالی ہو گئی تو آپ نے فرمایا بچے اگر اتنی نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے کا بھی یہی حال ہوا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں حبشیوں کو دوست رکھا کران میں سے تین شخص اہل جنت کے سروار ہیں لقمان حکیم نجاشی اور بلال مومن۔

توضیح اور فروتنی کا بیان: ☆ ☆ حضرت لقمانؑ نے اپنے بچے کو اس کی وصیت کی تھی اور ابن ابی الدنیانے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ ہم اس میں سے اہم باتیں یہاں ذکر کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بہت سے پرانگندہ بالوں والے میلے کپیلے کپڑوں والے جو کسی بڑے گھر تک نہیں پہنچ سکتے اللہ کے ہاں اتنے بڑے مرتبہ والے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم لگا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ اسے بھی پوری فرما دے۔ اور حدیث میں ہے براء بن مالک ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں رضی اللہ عنہ۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ کو قبر رسول کے پاس روتے دیکھ کر دریافت فرمایا تو جواب ملا کہ صاحب قبر ﷺ سے ایک حدیث میں نے سنی ہے جسے یاد کر کے رو رہا ہوں۔ میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے جو متقی ہیں جو لوگوں میں چھپے چھپائے ہیں جو کسی گنتی میں نہیں آتے۔ اگر وہ کسی مجمع میں نہ ہوں تو کوئی ان کا پرسان حال نہیں اگر آجائیں تو کوئی آؤ بھگت نہیں لیکن ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ وہ ہر ایک غبار آلود اندھیرے سے بچ کر نور حاصل کر لیتے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں یہ میلے کپیلے کپڑوں والے جو ذلیل گئے جاتے ہیں اللہ کے ہاں ایسے مقرب ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ پوری کر دے۔ گوا نہیں اللہ نے دنیا نہیں دی لیکن اگر ان کی زبان سے پوری جنت کا سوال بھی نکل جائے تو اللہ تعالیٰ پورا کر لیتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر آ کر وہ لوگ ایک دینار ایک درہم بلکہ ایک فلوس بھی مانگیں تو تم نہ دو لیکن اللہ کے وہ ایسے پیارے ہیں کہ اگر اللہ سے جنت کی جنت مانگیں تو پروردگار دے دے ہاں دنیا نہ تو انہیں دیتا ہے نہ روکتا ہے اس لئے کہ یہ کوئی قدر کے قابل چیز نہیں۔ یہ میلی کچیلی دو چادروں میں رہتے ہیں۔ اگر کسی موقع پر قسم کھا بیٹھیں تو جو قسم انہوں نے کھائی ہو اللہ پوری کرتا ہے۔

حضورؐ فرماتے ہیں جنت کے بادشاہ وہ لوگ ہیں جو پرانگندہ اور بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں غبار آلود اور گرد سے اٹے ہوئے۔ وہ امیروں کے گھر جانا چاہیں تو انہیں اجازت نہیں ملتی۔ اگر کسی بڑے گھرانے میں نکاح کی مانگ کر ڈالیں تو وہاں کی بیٹی نہیں ملتی۔ ان مسکینوں سے انصاف کے برتاؤ نہیں برتے جاتے۔ ان کی حاجتیں اور ان کی مانگیں اور مرادیں پوری ہونے سے پہلے ہی خود ہی فوت ہو جاتی ہیں اور آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہیں۔ انہیں قیامت کے دن اس قدر نور ملے گا کہ اگر وہ تقسیم کیا جائے تو تمام دنیا کے لئے کافی ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کے شعروں میں ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں حقیر و ذلیل سمجھے جاتے ہیں کل قیامت کے دن تخت و

تاراج والے ملک و منال والے عزت و جلال والے بنے ہوئے ہوں گے۔ باغات میں نہروں میں نعمتوں میں راحتوں میں مشغول ہوں گے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب باری کا ارشاد ہے سب سے زیادہ میرا پسندیدہ ولی وہ ہے جو مومن ہو، کم مال والا، کم مال و عیال والا، غازی، عبادت و اطاعت گزار، پوشیدہ و علانیہ مطیع ہو۔ لوگوں میں اس کی عزت اور اس کا وقار نہ ہو۔ اس کی جانب انگلیاں نہ اٹھتی ہوں اور وہ اس پر صابر ہو۔ پھر حضور نے اپنے ہاتھ جھانڈ کر فرمایا اس کی موت جلدی آ جاتی ہے اس کی میراث بہت کم ہوتی ہے اس کی رونے والیاں تھوڑی ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں اللہ کے سب سے زیادہ محبوب بندہ غرباء ہیں جو اپنے دین کو لئے پھرتے ہیں جہاں دین کے کمزور ہونے کا خطرہ ہوتا ہے وہاں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں یہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ کے ساتھ جمع ہوں گے۔

حضرت فضیل بن عیاض کا قول ہے کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے سے فرمائے گا، کیا میں نے تجھ پر انعام و اکرام نہیں فرمایا؟ کیا میں نے تجھے دیا نہیں؟ کیا میں نے تیرا جسم نہیں ڈھانپا؟ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں دیا؟ کیا وہ نہیں دیا؟ کیا لوگوں میں تجھے عزت نہیں دی تھی؟ وغیرہ۔ تو جہاں تک ہو سکے ان سوالوں کے جواب دینے کا موقعہ کم ملے اچھا ہے۔ لوگوں کی تعریفوں سے کیا فائدہ اور مذمت کریں تو کیا نقصان ہوگا۔ ہمارے نزدیک تو وہ شخص زیادہ اچھا ہے جسے لوگ برا کہتے ہوں اور وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہو۔ ابن مہر یز تو دعا کرتے تھے کہ اللہ میری شہرت نہ ہو۔ خلیل ابن احمد اپنی دعا میں کہتے تھے اللہ مجھے اپنی نگاہوں میں تو بلندی عطا فرما اور خود میری نظر میں مجھے بہت حقیر کر دے اور لوگوں کی نگاہوں میں مجھے درمیانہ درجہ کا رکھ پھر شہرت کا باب باندھ کر امام صاحب اس حدیث کو لائے ہیں۔ انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ لوگ اس کی دیداری یا دنیا داری کی شہرت دے لگیں اور اس کی طرف انگلیاں اٹھنے لگیں اشارے ہونے لگیں۔ پس اسی میں آ کر بہت سے لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں مگر جنہیں اللہ تعالیٰ بچالے۔ سنو اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ حضرت حسنؑ سے بھی یہی روایت مرسلہ مروی ہے۔ جب آپ نے یہ روایت بیان کی تو کسی نے کہا، آپ کی طرف بھی تو انگلیاں اٹھتی ہیں۔ آپ نے فرمایا سمجھ نہیں۔ مراد انگلیاں اٹھنے سے دینی بدعت یا دینی فسق و فحور ہے۔ حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ شہرت حاصل کرنا نہ چاہو۔ اپنے تئیں اونچا نہ کر دو کہ لوگوں میں تذکرے ہونے لگیں، علم حاصل کرو لیکن چھپاؤ، چپ رہو تا کہ سلامت رہو، نیکیوں کو خوش رکھو، بدکاری سے تعریف رکھو۔ حضرت ابراہیم اہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شہرت کا چاہنے والا اللہ کا ولی نہیں ہوتا۔ حضرت ایوبؑ کا فرمان ہے جسے اللہ دوست بنا لیتا ہے وہ تو لوگوں سے اپنا درجہ چھپاتا پھرتا ہے۔

محمد بن علاء فرماتے ہیں اللہ کے دوست لوگ اپنے تئیں ظاہر نہیں کیا کرتے۔ سماک بن سلمہ کا قول ہے عام لوگوں کے میل جول سے اور احباب کی زیادتی سے پرہیز کرو۔ حضرت ابان بن عثمان فرماتے ہیں اگر اپنے دین کو سالم رکھنا چاہتے ہو تو لوگوں سے کم جان پہچان رکھو۔ حضرت ابو العالیہ کا قاعدہ تھا جب دیکھتے کہ ان کی مجلس میں تین سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے تو انہیں چھوڑ کر خود چل دیتے۔ حضرت طلحہ نے جب اپنے ساتھ بھیڑ دیکھی تو فرمانے لگے طمع کی کھیاں اور آگ کے پروانے جمع ہو گئے۔ حضرت حنظلہ کو لوگ گھیرے کھڑے تھے تو حضرت عمرؓ نے کوڑا تانا اور فرمایا اس میں تابع کی ذلت اور متبوع کے لئے فتنہ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ جب لوگ چلنے لگے تو آپ نے فرمایا اگر میرا باطن تم پر ظاہر ہو جائے تو تم میں دو بھی شاید میرے پیچھے چلنا پسند نہ کریں۔ حماد بن زیدؓ کہتے ہیں جب ہم کسی مجلس کے پاس سے گزرتے اور ہمارے ساتھ ایوبؓ ہوتے تو سلام کرتے اور وہ سختی سے جواب دیتے۔ پس یہ ایک نعمت تھی۔ آپ لمبی قمیض پہنتے۔ اس پر لوگوں نے کہا تو آپ نے جواب دیا کہ لمبی قمیض اگلے زمانہ میں شہرت کی چیز تھی۔ لیکن یہ شہرت اس کے اونچا کرنے میں ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے

اپنی ٹوپیاں مسنون رنگ کی رنگوائیں۔ کچھ دنوں پہن کر اتار دیں اور فرمایا، میں نے دیکھا عام لوگ انہیں نہیں پہنتے۔ حضرت ابراہیم خلیؑ کا قول ہے کہ نہ تو ایسا لباس پہنو کہ لوگوں کی انگلیاں انھیں نہ اتنا گھٹیا پہنو کہ لوگ حقارت سے دیکھیں۔

ٹوٹی فرماتے ہیں، عام سلف کا یہی معمول تھا کہ نہ بہت بڑھیا کپڑا پہنتے تھے نہ بالکل گھٹیا۔ ابو قلابہؓ کے پاس ایک شخص بہت ہی بہترین اور شہرت کا لباس پہنے ہوئے آیا تو آپ نے فرمایا، اس آواز دینے والے گدھے سے بچو۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے دلوں میں تو تکبر بھر رکھا ہے اور ظاہری لباس میں تواضع کر رکھی ہے۔ گویا چادر ایک بھاری تھوڑا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا، میرے سامنے دو درویشوں کی پوشاک میں آئے ہو حالانکہ تمہارے دل بھیڑیوں جیسے ہیں۔ سنو لباس چاہے بادشاہوں جیسا پہنو مگر دل خوف الہی سے نرم رکھو۔

اچھے اخلاق کا بیان: ☆ ☆ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے بہتر اخلاق والے تھے۔ آپ سے سوال ہوا کہ کون سا مومن بہتر ہے۔ فرمایا سب سے اچھے اخلاق والا۔ آپ کا فرمان ہے کہ باوجود کم اعمال کے صرف اچھے اخلاق کی وجہ سے انسان بڑے بڑے درجے اور جنت کی اعلیٰ منزل حاصل کر لیتا ہے اور باوجود بہت ساری نیکیوں کے صرف اخلاق کی برائی کی وجہ سے جہنم کے نیچے کے طبقے میں چلا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں، اچھے اخلاق ہی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ فرماتے ہیں، انسان اپنی خوش اخلاقی کے باعث راتوں کو قیام کرنے والے اور دنوں کو روزے رکھنے والوں کے درجوں کو پا لیتا ہے۔ حضورؐ سے سوال ہوا کہ دخول جنت کا موجب عام طور سے کیا ہے؟ فرمایا، اللہ کا ڈر اور اخلاق کی اچھائی۔ پوچھا گیا، عام طور سے جہنم میں کون سی چیز لے جاتی ہے؟ فرمایا دو سوراخ دار چیزیں یعنی منہ اور شرمگاہ۔ ایک مرتبہ چند اعراب کے اس سوال پر کہ انسان کو سب سے بہتر عطیہ کیا ملا ہے؟ فرمایا حسن خلق۔ فرماتے ہیں، نیکی کی ترازو میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی چیز اور کوئی نہیں۔ فرماتے ہیں، تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔ فرماتے ہیں، جس طرح مجاہد کو جو راہ اللہ میں جہاد کرتا ہے صبح و شام اجر ملتا ہے، اسی طرح اچھے اخلاق پر بھی اللہ ثواب عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہے، تم میں مجھے سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ بغض و نفرت کے قابل اور مجھ سے سب سے دور جنت میں وہ ہوگا جو بد خلق، بد گو، بد کلام، بد زبان ہوگا۔ فرماتے ہیں، کامل ایماندار اچھے اخلاق والے ہیں جو ہر ایک سے سلوک و محبت سے ملیں جلیں۔ ارشاد ہے، جس کی پیدائش اور اخلاق اچھے ہیں، اسے اللہ تعالیٰ جہنم کا قلم نہیں بنائے گا۔ ارشاد ہے، دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوتیں۔ بغل اور بد اخلاقی۔ فرماتے ہیں، بد خلقی سے زیادہ بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اس لئے کہ بد اخلاقی سے ایک سے ایک بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے۔ اللہ کے نزدیک بد اخلاقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بد اخلاقیوں نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں۔ جیسے شہد کو سر کہ خراب کر دیتا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں، غلام خریدنے سے غلام نہیں بڑھتے البتہ خوش اخلاقی سے لوگ بہت سے گرویدہ اور جاں نثار ہو سکتے ہیں۔ امام محمد بن سیرینؒ کا قول ہے کہ اچھا خلق دین کی مدد ہے۔

تکبر کی مذمت کا بیان: ☆ ☆ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، وہ جنت میں نہ جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو۔ اور وہ جہنم میں نہیں جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو۔ فرماتے ہیں جس دل میں ایک ذرے کے برابر تکبر ہے، وہ اوندھے منہ جہنم میں جائے گا۔ ارشاد ہے کہ انسان اپنے غرور اور خود پسندی میں بڑھتے بڑھتے اللہ کے ہاں جہاروں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر سرکشوں کے عذاب میں پھنس جاتا ہے۔ امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھے تھے۔

آپ کے دربار میں اس وقت دولاکھ انسان تھے اور دولاکھ جن تھے۔ آپ کو آسمان تک پہنچایا گیا یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز کان میں آنے لگی۔ اور پھر زمین تک لایا گیا یہاں تک کہ سمندر کے پانی سے آپ کے قدم بھیگ گئے۔ پھر ہاتھ غیب نے ندادی کہ اگر اس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوتا تو جتنا اونچا گیا تھا اس سے زیادہ نیچے دھنسا دیا جاتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خلبے میں انسان کی ابتدائی پیدائش کا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے۔ اس طرح اسے بیان فرمایا کہ سننے والے کراہت کرنے لگے۔ امام شعبیؒ کا قول ہے جس نے دو شخصوں کو قتل کر دیا وہ بڑا ہی سرکش اور جبار ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اَتْرِيْدُ اَنْ تَقْتُلُنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے؟ جیسے کہ تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے۔ تیرا ارادہ تو دنیا میں سرکش اور جبار بن کر رہنے کا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت حسنؒ کا مقولہ ہے وہ انسان جو ہر دن میں دو مرتبہ اپنا پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے وہ کس بنا پر تکبر کرتا ہے اور اس کا وصف اپنے میں پیدا کرنا چاہتا ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اپنے قبضے میں رکھا ہے۔ ضحاک بن سفیان سے دنیا کی مثال اس چیز سے بھی دینا مروی ہے جو انسان سے نکلتی ہے۔ امام محمد بن حسین بن علیؒ فرماتے ہیں جس دل میں جتنا تکبر اور گھمنڈ ہوتا ہے اتنی ہی عقل اس کی کم ہو جاتی ہے۔ یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے ساتھ تکبر اور توحید کے ساتھ نفاق نہیں ہوا کرتا۔ بنی امیہ مار مار کر اپنی اولاد کو اکڑ کر چلنا سکھاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو آپ کی خلافت سے پہلے ایک مرتبہ اٹھلاتی ہوئی چال چلتے ہوئے دیکھ کر حضرت طاووسؒ نے ان کے پہلو میں ایک ٹھونکا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے مرتبہ اٹھلاتی ہوئی چال چلتے ہوئے دیکھ کر حضرت طاووسؒ نے ان کے پہلو میں ایک ٹھونکا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے پیٹ میں پاخانہ بھرا ہوا ہے؟ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز بہت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے معاف فرمائیے ہمیں مار مار کر اس چال کی عادت ڈلوائی گئی ہے۔

فخر و گھمنڈ کی مذمت کا بیان: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص فخر و غرور سے اپنا کپڑا نیچے لٹکا کر مھینے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف رحمت سے نہ دیکھے گا۔ فرماتے ہیں اس کی طرف اللہ قیامت کے دن نظر نہ ڈالے گا جو اپنا تہہ بند لٹکائے۔ ایک شخص دو عمدہ چادریں اوڑھے دل میں غرور لئے اکڑتا ہوا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا قیامت تک وہ دھنستا ہوا چلا جائے گا۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ
وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَةً ظٰهِرَةً وَّ بَاطِنَةً وَّمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ
فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۗ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمْ اَتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلٰى اَبَآئِنَا
اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلَى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تمہیں اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں۔ بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کی تابعداری کرو

توان کا جواب ہوتا ہے کہ ہم نے تو جس طریق پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اسی کی تابعداری کریں گے، بھلا اگرچہ شیطان ان کے بڑوں کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو ○

انعام و اکرام کی بارش: ☆ ☆ (آیت: ۲۰-۲۱) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی نعمتوں کا اظہار فرما رہا ہے کہ دیکھو آسمان کے ستارے تمہارے لئے کام میں مشغول ہیں، چمک چمک کر تمہیں روشنی پہنچا رہے ہیں۔ بادل بارش، ازلے، خشکی سب تمہارے نفع کی چیزیں ہیں، خود آسمان تمہارے لئے محفوظ اور مضبوط چھت ہے۔ زمین کی نہریں، چشمے، دریا، سمندر، درخت، بھٹی، پھل یہ سب نعمتیں بھی اسی نے دے رکھی ہیں۔ پھر ان ظاہری بیشمار نعمتوں کے علاوہ باطنی بیشمار نعمتیں بھی اس نے تمہیں دے رکھی ہیں۔ مثلاً رسولوں کا بھیجنا، کتابوں کا نازل فرمانا، شک و شبہ وغیرہ دلوں سے دور کرنا وغیرہ۔

اتنی بڑی اور اتنی ساری نعمتیں جس نے دے رکھی ہیں، حق یہ تھا کہ اس کی ذات پر سب کے سب ایمان لاتے لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ اب تک اللہ کے بارے میں یعنی اس کی توحید اور اس کے رسولوں کی رسالت کے بارے میں ہی الجھ رہے ہیں اور محض جہالت سے ضلالت سے بغیر کسی سند اور دلیل کے اڑے ہوئے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ وحی کی اتباع کرو تو بڑی بے حیائی سے جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے اگلوں کی تقلید کریں گے گوان کے باپ دادے محض بے عقل اور بے راہ شیطان کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے اور اس نے انہیں دوزخ کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ یہ تھے ان کے سلف اور یہ ہیں ان کے خلف۔

وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقَىٰ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ
كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا رُجُوعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ
الصُّدُورِ ۝ ثُمَّ نُنَبِّئُكُم بِالْعِزِّ وَالْمُلْكِ وَنُعَذِّبُهُم بِالْعَذَابِ ۚ غَلِيظٍ ۝

جو شخص اپنے منہ کو اللہ کی طرف متوجہ کر دے اور ہو سکی وہ نیک کاڑھینا اس نے مضبوط کڑا قیام لیا۔ تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے ○ کافروں کے کفر سے آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ آخر ان سب کا لوٹنا تو ہماری ہی جانب ہے۔ اس وقت ان کے کئے کو تک سے اللہ انہیں خبردار کر دے گا۔ وہ تو دلوں کے پھیدوں تک سے واقف ہے ○ ہم انہیں کو کچھ یونہی سافائدہ دے دیں لیکن ہلا غم انہیں نہایت بھاری کی حالت میں سخت عذابوں کی طرف ہٹا لے جائیں گے ○

مضبوط دستاویز: ☆ ☆ (آیت: ۲۳-۲۴) فرماتا ہے کہ جو اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرے، جو اللہ کا سچا فرمانبردار بن جائے، جو شریعت کا تابعدار ہو جائے، اللہ کے حکموں پر عمل کرے، اللہ کے منع کردہ کاموں سے باز آ جائے، اس نے مضبوط دستاویز حاصل کر لی گویا اللہ کا وعدہ لے لیا کہ عذابوں میں وہ نجات یافتہ ہے۔ کاموں کا انجام اللہ کے ہاتھ ہے۔ اے پیارے پیغمبر کافروں کے کفر سے آپ ٹمکن نہ ہوں۔ اللہ کی تحریر یونہی جاری ہو چکی ہے۔ سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے۔ اس وقت اعمال کے بدلے ملیں گے، اس اللہ پر کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ دنیا میں مزے کر لیں۔ پھر تو ان عذابوں کو بے بسی سے برداشت کرنا پڑے گا جو بہت سخت اور نہایت گھبراہٹ والے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَقْتَرُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ اللہ پر جھوٹ افتر کرنے والے فلاح سے محروم رہ جاتے ہیں۔ دنیا کا فائدہ تو خیر الگ چیز ہے لیکن ہمارے ہاں (موت کے بعد) آنے کے بعد تو اپنے کفر کی سخت سزا بھگتنی پڑے گی۔

وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ لِيَقُولَنَّ
 اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
 السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝

اگر تو ان سے دریافت کرے کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے تو یہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ تو کہہ دے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے لیکن ان میں سے اکثر بے علم ہیں ○ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بڑا فنی ہے نیاز اور سزاوار احمد و ثنا ہے ○

حاکم اعلیٰ وہ اللہ ہے: ☆ ☆ (آیت: ۲۵-۲۶) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ مشرک اس بات کو مانتے ہوئے کہ سب کا خالق اکیلا اللہ ہی ہے پھر بھی دوسروں کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ ان کی نسبت خود جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے اور اس کے ماتحت ہیں۔ ان سے اگر پوچھا جائے کہ خالق کون ہے تو ان کا جواب بالکل سچا ہوتا ہے کہ اللہ! تو کہہ کہ اللہ کا شکر ہے۔ اتنا تو تمہیں اقرار ہے۔ بات یہ ہے کہ اکثر مشرک بے علم ہوتے ہیں۔ زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی چھپی کھلی چیز اللہ کی پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں وہی سزاوار احمد ہے وہی بخوبی والا ہے۔ پیدا کرنے میں بھی احکام مقرر کرنے میں بھی وہ قابل تعریف ہے۔

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمْدُهُ
 مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ
 اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝
 وَاحِدَةٌ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝

روئے زمین کے تمام درختوں کی اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے بے شک و شبہ اللہ تعالیٰ غالب اور باہمت ہے ○ تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد جانا ایسا ہی ہے جیسے ایک جی (ایک نفس) کا بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے ○

حمد و ثنا کا حق ادا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں: ☆ ☆ (آیت: ۲۷-۲۸) اللہ رب العالمین اپنی عزت کبریائی بڑائی بزرگی، جلالت اور شان بیان فرما رہا ہے۔ اپنی پاک صفیتیں اپنے بلند ترین نام اور اپنے بشار کلمات کا ذکر فرما رہا ہے جنہیں نہ کوئی گن سکے نہ شمار کر سکے نہ ان پر کسی کا احاطہ ہو نہ ان کی حقیقت کو کوئی پاسکے۔ سید البشر خاتم الانبیاء ﷺ فرمایا کرتے تھے لَا أَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَيَّ نَفْسِكَ اے اللہ میں تیری تعریفوں کا اتنا شمار بھی نہیں کر سکتا جتنی ثناء تو نے اپنی آپ فرمائی ہے۔ پس یہاں جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام تر درخت قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر کے پانی سیاہی بن جائیں اور ان کے ساتھ ہی سات سمندر اور بھی ملائے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و صفات، جلالت و بزرگی کے کلمات لکھنے شروع کئے جائیں تو یہ تمام قلم گھس جائیں ختم ہو جائیں سب سیاہیاں پوری ہو جائیں ختم ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ کی تعریفیں ختم نہ ہوں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ سات سے زیادہ سمندر ہوں تو پھر اللہ کے پورے کلمات لکھنے کے لئے کافی ہو جائیں۔ نہیں یہ گنتی تو زیادتی دکھانے کے لئے ہے اور

یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ سات سمندر موجود ہیں اور وہ عالم کو گھیرے ہوئے ہیں۔ البتہ بنو اسرائیل کی ان سات سمندروں کی بابت ایسی روایتیں ہیں لیکن نہ تو انہیں سچ کہا جاسکتا ہے اور نہ جھٹلایا جاسکتا ہے۔ ہاں جو تفسیر ہم نے کی ہے اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے قُلْ لَّوْكَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّخَلْقِیْ لَإِنْفَكْنَا مِنْهُ لَوْ كُنَّا صَادِقِیْنَ۔ یعنی اگر سمندر سیاہی بن جائے اور رب کے کلمات کا لکھنا شروع ہو تو کلمات الہی کے ختم ہونے سے پہلے ہی سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ایسا ہی اور سمندر اس کی مدد میں لائیں۔ پس یہاں بھی مراد صرف اسی جیسا ایک ہی سمندر لانا نہیں بلکہ ویسا ایک پھر ایک اور بھی ویسا ہی پھر دیا ہی پھر ویسا ہی الغرض خواہ کتنے ہی آجائیں لیکن اللہ کی باتیں ختم نہیں ہو سکتیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ لکھوانا شروع کرے کہ میرا یہ امر اور یہ امر تو تمام قلمیں ٹوٹ جائیں اور تمام سمندروں کے پانی ختم ہو جائیں۔ مشرکین کہتے تھے کہ یہ کلام اب ختم ہو جائے گا جس کی تردید اس آیت میں ہو رہی ہے کہ نہ رب کے عجاibat ختم ہوں نہ اس کی حکمت کی انتہا نہ اس کی صفت اور اس کے علم کا آخر۔ تمام بندوں کے علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ اللہ کی باتیں فنا نہیں ہوتیں نہ اسے کوئی ادراک کر سکتا ہے۔ ہم جو کچھ اس کی تعریفیں کریں وہ ان سے سوا ہے۔ یہود کے علماء نے مدینے میں رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ یہ جو آپ قرآن میں پڑھتے ہیں وَمَا أُوتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِیْلًا یعنی تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے۔ ہم یا آپ کی قوم؟ آپ نے فرمایا ہاں سب۔ انہوں نے کہا پھر آپ کلام اللہ شریف کی اس آیت کو کیا کریں گے جہاں فرمان ہے کہ تورات میں ہر چیز کا بیان ہے۔ آپ نے فرمایا سنو وہ اور تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کے کلمات کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ تمہیں جتنا کفایت ہوا اتنا اللہ تعالیٰ نے نازل فرما دیا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔

لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مدنی ہونی چاہیے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے تمام اشیاء اس کے سامنے پست و عاجز ہیں، کوئی اس کے ارادہ کے خلاف نہیں جاسکتا، اس کا کوئی حکم نہیں سکتا، اس کی منشا کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ وہ اپنے افعال، اقوال، شریعت، حکمت اور تمام صفوں میں سب سے اعلیٰ غالب و قہار ہے۔ پھر فرماتا ہے، تمام لوگوں کا پیدا کرنا اور انہیں مار ڈالنے کے بعد زندہ کر دینا مجھ پر ایسا ہی آسان ہے جیسے کسی ایک شخص کو مارنا اور پیدا کرنا۔ اس کا تو کسی بات کا حکم فرما دینا کافی ہے۔ ایک آنکھ چھپکانے جتنی دیر بھی نہیں لگتی۔ نہ دوبارہ کہنا پڑے نہ اسباب اور مادے کی ضرورت۔ ایک فرمان میں قیامت قائم ہو جائے گی، ایک ہی آواز کے ساتھ سب جی اٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام باتوں کا سننے والا ہے، سب کے کاموں کا جاننے والا ہے۔ ایک شخص کی باتیں اور اس کے کام جیسے اس پر مخفی نہیں، اسی طرح تمام جہان کے معاملات اس سے پوشیدہ نہیں۔

الْمُتَرَاتِبِ ۖ اللَّهُ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ
فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا يَجْرِى إِلَى
أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ
اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ ۚ وَأَنَّ
اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں کھپا دیتا ہے۔ سورج چاند کو اسی نے فرمانبردار کر رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے۔ اللہ

تعالیٰ ہر اس چیز سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے ○ یہ سب انتظامات اس وجہ سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور اس کے سوا جن کو لوگ پکارتے ہیں سب باطل ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلند یوں والا اور بڑی شان والا ہے ○

اس کے سامنے ہر چیز حقیر و پست ہے: ☆ ☆ (آیت: ۲۹-۳۰) رات کو کچھ گھٹا کر دن کو کچھ بڑھانے والا اور دن کو کچھ گھٹا کر رات کو کچھ بڑھانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جاڑوں کے دن چھوٹے اور راتیں بڑی گرمیوں کے دن بڑے اور راتیں چھوٹی اسی کی قدرت کا ظہور ہے۔ سورج چاند اسی کے تحت فرمان ہیں۔ جو جگہ مقرر ہے وہیں چلتے ہیں قیامت تک برابر اسی چال چلتے رہیں گے اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے۔

بخاری و مسلم میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ جا کر اللہ کے عرش کے نیچے سجے میں گر پڑتا ہے اور اپنے رب سے اجازت چاہتا ہے۔ قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے جہاں سے آیا ہے وہیں کو لوٹ جا۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سورج بمنزلہ ساقیہ کے ہے۔ دن کو اپنے اور ان میں جاری رہتا ہے۔ غروب ہو کر رات کو پھر زمین کے نیچے گردش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی مشرق سے ہی طلوع ہو۔ اسی طرح چاند بھی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ جیسے فرمان ہے کیا تو نہیں جانتا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ سب کا خالق سب کا عالم اللہ ہی ہے۔ جیسے ارشاد ہے اللہ نے سات آسمان پیدا کئے اور انہی کے مثل زمینیں بنائیں۔ یہ نشانیاں پروردگار عالم اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ تم ان سے اللہ کے حق و وجود پر ایمان لاؤ اور اس کے سوا سب کو باطل مانو۔ وہ سب سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔ سب کے سب اس کے محتاج اور اس کے در کے فقیر ہیں۔ سب اس کی مخلوق اور اس کے غلام ہیں۔ کسی کو ایک ذرے کے حرکت میں لانے کی قدرت نہیں۔ گو ساری مخلوق مل کر ارادہ کر لے کہ ایک مکھی پیدا کریں سب عاجز آ جائیں گے اور ہرگز اتنی قدرت بھی نہ پائیں گے۔ وہ سب سے بلند ہے جس پر کوئی چیز نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے جس کے سامنے کسی کو کوئی بڑائی نہیں۔ ہر چیز اس کے سامنے حقیر اور پست ہے۔

الْمَ تَرَانَا الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ
مَنْ آيَتُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ وَإِذَا
غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝
فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا
كُلُّ خَاسِرٍ كَفُورٍ ۝

کیا تو اس پر غور نہیں کرتا کہ دریا میں کشتیاں اللہ کے فضل سے چل رہی ہیں اس لئے کہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے۔ یقیناً اس میں ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ○ اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ پھر جب باری تعالیٰ انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ تو ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں۔ ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور

طوفانوں میں کون یاد آتا ہے: ☆ ☆ (آیت: ۳۱-۳۲) اللہ کے حکم سے سمندروں میں جہاز رانی ہو رہی ہے۔ اگر وہ پانی میں کشتی کو تھانے کی اور کشتی میں پانی کو کانٹے کی قوت نہ رکھتا تو پانی میں کشتیاں کیسے چلتیں؟ وہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلا رہا ہے۔ مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر کرنے والے ان سے بہت کچھ عبرتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ جب ان کفار کو سمندروں میں موجیں گھیر لیتی ہیں اور ان کی کشتی ڈگمگانے لگتی ہے اور موجیں پہاڑوں کی طرح ادھر سے ادھر ادھر سے ادھر کشتیوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے لگتی ہیں تو اپنا شرک و کفر سب بھول جاتے ہیں اور گریہ و زاری سے ایک اللہ کو پکارنے لگتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ارْجُوا رَبَّكُم مِّنْهُم مَّضِرٌّ يَّخْرُجُ إِلَيْكُمْ مِّنْ تَحْتِ الْوُجُوهِ مُتَسَلِّمِينَ اور آیت میں ہے فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ انْصَبْ فِي الْفُلِ مَنَاصِبَ an

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَأَخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿۶۳﴾

لوگو اپنے رب کا لحاظ رکھو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہوگا۔ یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے دیکھو تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں دھوکے میں ڈال دے ○

اللہ تعالیٰ کے روبرو کیا ہوگا: ☆ ☆ (آیت: ۳۳) اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرا رہا ہے اور اپنے تقوے کا حکم فرما رہا ہے۔ ارشاد ہے اس دن باپ اپنے بیٹے کے یا بیچہ اپنے باپ کو کچھ کام نہ آئے گا۔ ایک دوسرے کا فدیہ نہ ہو سکے گا۔ تم دنیا پر اعتماد کرنے والو آخرت کو فراموش نہ کر جاؤ شیطان کے فریب میں نہ آ جاؤ وہ تو صرف پردہ کی آڑ میں شکار کھینا جانتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عزیر علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی تکلیف ملاحظہ کی اور غم و رنج بہت بڑھ گیا، نیند اچاٹ ہو گئی تو اپنے رب کی طرف جھک پڑے۔ فرماتے ہیں میں نے نہایت تضرع و زاری کی، خوب رویا گزر گرایا، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، دعائیں مانگیں۔ ایک مرتبہ رورو کر تضرع کر رہا تھا جو میرے سامنے ایک فرشتہ آ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا، کیا نیک لوگ بروں کی شفاعت کریں گے؟ یا باپ بیٹوں کے کام آئیں گے؟

اس نے فرمایا، قیامت کا دن جھگڑوں کے فیصلوں کا دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ خود سامنے ہوگا۔ کوئی بغیر اس کی اجازت کے لب نہ ہلا سکے گا، کسی کو دوسرے کے بدلے نہ پکڑا جائے گا، نہ باپ بیٹے کے بدلے نہ بیٹا باپ کے بدلے نہ بھائی بھائی کے بدلے نہ غلام آقا کے

بدلے نہ کوئی کسی کا غم و رنج کرے گا نہ کسی کی طرف سے کسی کو خیال ہوگا نہ کسی پر رحم کرے گا نہ کسی کو کسی سے شفقت و محبت ہوگی۔ نہ ایک دوسرے کی طرف پکڑا جائے گا۔ ہر شخص نفسا نفسی میں ہوگا۔ ہر ایک اپنی فکر میں ہوگا۔ ہر ایک کو اپنا رونا پڑا ہوگا ہر ایک اپنا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا۔ کسی اور کا نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

کہہ رکھو کہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے اسے جانتا ہے۔ کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کچھ کرے گا؟ نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا؟ یاد رکھو اللہ پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے ○

غیب کی پانچ باتیں: ☆☆ (آیت ۳۴) یہ غیب کی وہ کنجیاں ہیں جن کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں۔ مگر اس کے بعد کہ اللہ اسے علم عطا فرمائے۔ قیامت کے آنے کا صحیح وقت نہ کوئی نبی مرسل جانے نہ کوئی مقرب فرشتہ اس کا وقت صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اسی طرح بارش کب کہاں اور کتنی برسے گی اس کا علم بھی کسی کو نہیں۔ ہاں جب ان فرشتوں کو حکم ہوتا ہے جو اس پر مقرر ہیں تب وہ جانتے ہیں اور جسے اللہ معلوم کرائے۔ اسی طرح حاملہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ اسے بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہاں جب جناب باری کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے جو اسی کام پر مقرر ہیں تب انہیں پتہ چلتا ہے کہ نہ ہوگا یا مادہ لڑکا ہوگا یا لڑکی نیک ہوگا یا بد؟ اسی طرح کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ نہ کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کہاں مرے گا؟ اور آیت میں ہے وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ غَيْبُ کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں جنہیں بجز اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور حدیث میں ہے کہ غیب کی کنجیاں یہاں پانچ چیزیں ہیں جن کا بیان آیت إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ الْحَقُّ میں ہے۔ مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچ باتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ بخاری کی حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں کہ یہ پانچ غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مسند احمد میں حضور کا فرمان ہے مجھے ہر چیز کی کنجیاں دی گئی ہیں سوائے پانچ کے۔ پھر یہی آیت آپ نے پڑھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں حضور ہماری مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک صاحب تشریف لائے۔ پوچھنے لگے یا رسول اللہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کو فرشتوں کو کتاب کو رسول کو آخرت کو مرنے کے بعد جی اٹھنے کو مان لینا۔ اس نے پوچھا اسلام کیا ہے؟ فرمایا ایک اللہ کی عبادت کرنا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا نمازیں پڑھنا زکوٰۃ دینا رمضان کے روزے رکھنا۔ اس نے دریافت کیا احسان کیا ہے؟ فرمایا تیرا اس طرح اللہ کی عبادت کرنا کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا حضور قیامت کب ہے؟ فرمایا اس کا علم نہ مجھے نہ تجھے ہاں میں اس کی نشانیاں بتلاتا ہوں۔ جب لوٹدی اپنے میاں کو جنے اور جب ننگے پیروں اور ننگے بدنوں والے لوگوں کے سردار بن جائیں۔ علم قیامت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ وہ شخص واپس چلا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ اسے لوٹا لاؤ۔ لوگ دوڑ پڑے لیکن وہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ جبرئیل تھے۔ لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے (بخاری) ہم نے اس حدیث کا مطلب شرح صحیح بخاری میں خوب بیان کر دیا ہے۔ مسند میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اپنی ہتھیلیاں حضور کے گھٹنوں پر رکھ کر یہ سوالات کئے تھے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو اپنا چہرہ اللہ کی طرف متوجہ کر دے

اور اللہ کے واحد و لاشریک ہونے کی گواہی دے اور محمدؐ کے عبد و رسول ہونے کی۔ جب تو یہ کر لے تو تو مسلمان ہو گیا۔ پوچھا، اچھا ایمان کس کا نام ہے؟ فرمایا، اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر نبیوں پر عقیدہ رکھنا۔ موت اور موت کے بعد کی زندگی کو ماننا، جنت دوزخ، حساب، میزان اور تقدیر کی بھلائی برائی پر ایمان رکھنا۔ پوچھا جب میں ایسا کر لوں تو کیا میں مومن ہو جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر احسان کا پوچھا اور جواب پایا جو اوپر مذکور ہوا۔ پھر قیامت کا پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ! یہ ان پانچ چیزوں میں ہے جنہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ پھر نشانہوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ لوگ لمبی چوڑی عمارتیں بنانے لگیں گے۔

ایک صحیح سند کے ساتھ مسند احمد میں مروی ہے کہ بنو عامر قبیلہ کا ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا، کہنے لگا، میں آؤں؟ آپؐ نے اپنے خادم کو بھیجا کہ جا کر انہیں ادب سکھاؤ۔ یہ اجازت مانگنا نہیں جانتے۔ ان سے کہو کہ پہلے سلام کرو۔ پھر دریافت کرو کہ میں آ سکتا ہوں؟ انہوں نے سن لیا اور اسی طرح سلام کیا اور اجازت چاہی، یہ گئے اور جا کر کہا کہ آپؐ ہمارے لئے کیا لے کر آئے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا بھلائی ہی بھلائی۔ سنو تم ایک اللہ کی عبادت کرو ذات و عزتی کو چھوڑ دو دن رات میں پانچ نمازیں پڑھا کر دو سال بھر میں ایک مہینے کے روزے رکھو اپنے مالداروں سے زکوٰتیں وصول کر کے اپنے فقیروں پر تقسیم کرو۔ انہوں نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! کیا علم میں سے کچھ ایسا بھی باقی ہے جسے آپؐ نہ جانتے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں ایسا علم بھی ہے جسے جبر اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپؐ نے یہی آیت پڑھی۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں، گاؤں کے رہنے والے ایک شخص نے آ کر حضورؐ سے دریافت کیا تھا کہ میری عورت حمل سے ہے بتلائے کیا بچہ ہو گا؟ ہمارے شہر میں قحط ہے، فرمائیے بارش کب ہوگی؟ یہ تو میں جانتا ہوں کہ میں کب پیدا ہوا۔ اب یہ آپؐ معلوم کرا دیجئے کہ کب مروں گا؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری کہ مجھے ان چیزوں کا مطلق علم نہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں، یہی غیب کی کنجیاں ہیں جن کی نسبت فرمان باری ہے کہ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں۔ ”رَبِّكَ صَدِيقٌ“ فرماتی ہیں جو تم سے کہے کہ رسول اللہ ﷺ کل کی بات جانتے تھے تو سمجھ لینا کہ وہ بڑا جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا؟ قدادہ کا قول ہے کہ بہت سی چیزیں ہیں جن کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا نہ نبیؐ کو نہ فرشتہ کو۔ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کس سال، کس مہینے، کس دن یا کس رات میں وہ آئے گی۔ اسی طرح بارش کا علم بھی اس کے سوا کسی کو نہیں کہ کب آئے؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ کے پیٹ میں بچہ نہ ہوگا یا مادہ، سرخ ہوگا یا سیاہ؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ نیکی کرے گا یا بدی؟ مرے گا یا جنے گا۔ بہت ممکن ہے، کل موت یا آفت آجائے۔ نہ کسی کو یہ خبر ہے کہ کس زمین میں وہ دبایا جائے گا یا سمندر میں بہایا جائے گا یا جنگل میں مرے گا یا نرم یا سخت زمین میں جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے، جب کسی کی موت دوسری زمین میں ہوتی ہے تو اس کا وہ ہیں کا کوئی کام نکل آتا ہے اور وہیں موت آ جاتی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ یہ فرما کر رسول کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ اُش ہمدان کے شعر ہیں جن میں اس مضمون کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن زمین اللہ تعالیٰ سے کہے گی کہ یہ ہیں تیری امانتیں جو تو نے مجھے سونپ رکھی تھیں۔ طبرانی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

سورہ لقمان کی تفسیر ختم ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَحَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَكِیْل۔

تفسیر سورہ السجدہ

(تفسیر سورہ سجدہ) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجمعہ میں حدیث وارد کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن کی صبح کی نماز میں الم السجدۃ الخ، اور هل اتی علی الانسان الخ پڑھا کرتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ ہمیشہ سونے سے پہلے سورہ

اَلَمْ سَجِدْهُ اور سورۃ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ پڑھ لیا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ تَنْزِلِ الْكِتٰبَ لَا رَيْبَ فِیْهِ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
اَمْ یَقُولُوْنَ اَفْتَرٰهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا
مَّا اَتَتْهُمْ مِنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝ اَللّٰهُ
الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِهِ مِنْ وَلِیٍّ وَلَا
شَفِیْعٍ ۚ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝

بلاشبہ اس کتاب کا اتارنا تمام جہان کے پروردگار کی طرف سے ہے ○ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے۔ نہیں نہیں بلکہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ تو انہیں ڈر دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ہو سکتا ہے کہ وہ راہ راست پر آجائیں ○ اللہ وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں۔ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ○؟

(آیت: ۱-۳) سورتوں کے شروع میں جو مقطعات حروف ہیں ان کی پوری بحث ہم سورۃ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔ یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کتاب قرآن حکیم بے شک و شبہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ مشرکین کا یہ قول غلط ہے کہ حضورؐ نے خود اسے گھڑ لیا ہے۔ نہیں یہ تو یقیناً اللہ کی طرف سے ہے اس لئے اتر آیا ہے کہ حضورؐ اس قوم کو ڈراوے کے ساتھ آگاہ کر دیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی اور پیغمبر نہیں آیا۔ تاکہ وہ حق کی اتباع کر کے نجات حاصل کر لیں۔

ہر ایک کی تکمیل اللہ جل شانہ کے ہاتھ میں ہے: ☆ ☆ (آیت: ۴) تمام چیزوں کا خالق اللہ ہے۔ اس نے چھ دن میں زمین و آسمان بنائے۔ پھر عرش پر قرار پکڑا۔ اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ مالک و خالق وہی ہے۔ ہر چیز کی تکمیل اسی کے ہاتھ ہے۔ تدبیریں سب کاموں کی وہی کرتا ہے ہر چیز پر غلبہ اسی کا ہے۔ اس کے سوا مخلوق کا نہ کوئی والی نہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی۔ اے وہ لوگو جو اس کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہو دوسروں پر بھروسہ کرتے ہو کیا تم نہیں سمجھ سکتے کہ اتنی بڑی قدرتوں والا کیوں کسی کو اپنا شریک کا رہنا لگا؟ وہ برابر ہی سے دزیر دمیثیر سے شریک و سہیم سے پاک منزہ اور مبرا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کے علاوہ کوئی پالنے والا ہے۔ نسائی میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میرا ہاتھ تمام کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں پیدا کر کے ساتویں دن عرش پر قیام کیا۔ مٹی بھٹنے کے دن بنی۔ پہاڑ اتوار کے دن درخت سوموار کے دن برائیاں منگل کے دن نور بدھ کے دن جانور جمعرات کے دن آدم جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری گھڑی میں اسے تمام روئے زمین کی مٹی سے پیدا کیا جس میں سفید و سیاہ اچھی بری ہر طرح کی تھی اسی باعث اولاد آدم بھی بھلی بری ہوئی۔ امام بخاریؒ اسے معلل بتلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں اور سند سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اسے کعب احبار سے بیان کیا ہے اور حضرات محدثینؒ نے بھی اسے معلول بتلایا ہے۔ واللہ اعلم۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي
يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۚ ذَٰلِكَ
عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۚ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ
شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ
نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۚ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ
مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا
تَشْكُرُونَ ۚ

وہ آسمان سے زمین کی طرف کاموں کی تدبیر اتارتا ہے۔ پھر ایک ہی دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے ○ یہی ہے چھپے کھلے کا جاننے والا زبردست غالب بہت ہی مہربان۔ جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی ○ پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے خلاصے سے پیدا کی ○ جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی۔ اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت ہی تھوڑا احسان ماننے ہو ○

(آیت: ۵-۶) اس کا حکم ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اترتا ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے تک پہنچتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوٰتٍ وَفِي الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی نے سات آسمان بنائے اور انہی کے مثل زمینیں اس کا حکم ان سب کے درمیان اترتا ہے۔ اعمال اپنے دیوان کی طرف اٹھائے اور چڑھائے جاتے ہیں جو آسمان دنیا کے اوپر ہے۔ زمین سے آسمان اول پانچ سو سال کے فاصلہ پر ہے اور اتنا ہی اس کا گھیراؤ ہے۔ اتنا اترنا چڑھنا اللہ کی قدرت سے فرشتہ ایک آنکھ جھپکنے میں کر لیتا ہے۔ اسی لئے فرمایا ایک دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی ہے۔ ان امور کا مدبر اللہ ہے وہ اپنے بندوں کے اعمال سے باخبر ہے۔ سب چھوٹے بڑے عمل اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ وہ غالب ہے جس نے ہر چیز کو اپنے ماتحت کر رکھا ہے کل بندے اور کل گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں وہ اپنے مومن بندوں پر بہت ہی مہربان ہے۔ عزیز ہے اپنی رحمت میں اور رحیم ہے اپنی عزت میں۔

بہترین خالق، بہترین مصور و مدور: ☆ ☆ (آیت: ۷-۹) فرماتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر چیز قرینے سے بہترین طور سے بہترین ترکیب پر خوبصورت بنائی ہے۔ ہر چیز کی پیدائش کئی عمدہ کیسی مستحکم اور مضبوط ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش کے ساتھ ہی خود انسان کی پیدائش پر غور کرو۔ اس کا شروع دیکھو کہ مٹی سے پیدا ہوا ہے۔

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ پران کی نسل نطفے سے جاری رکھی جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے۔ پھر اسے یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد ٹھیک ٹھاک اور درست کیا اور اس میں اپنے پاس کی روح پھونکی۔ تمہیں کان، آنکھ، سمجھ عطا فرمائی۔ افسوس کہ پھر بھی تم شکر گزاری میں کثرت نہیں کرتے۔ نیک انجام اور خوش نصیب وہ شخص ہے جو اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کو اسی کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ جَلَّ شَانُهُ وَ عَزَّ اَسْمُهُ۔

وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بَلْ هُمْ
بِلِقَائِ رَبِّهِمْ كَفِرُونَ ﴿١٠﴾ قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ
الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾

کہنے لگے کیا جب ہم زمین میں کھو جائیں گے، کیا ہم پھر نئی پیدائش میں آجائیں گے؟ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین ہی نہیں
○ کہہ دے کہ تمہیں موت کا وہ فرشتہ موت کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ پھر تم سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

انسان اور فرشتوں کا ساتھ: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) کفار کا عقیدہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد جینے کے قائل نہیں۔ اور اسے وہ
محال جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہمارے ریزے ریزے جدا ہو جائیں گے اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے، پھر بھی کیا ہم نئے سرے
سے بنائے جاسکتے ہیں؟۔ افسوس یہ لوگ اپنے اوپر اللہ کو بھی قیاس کرتے ہیں اور اپنی محدود قدرت پر اللہ کی نامعلوم قدرت کا اندازہ کر دیتے
ہیں۔ مانتے ہیں جانتے ہیں کہ اللہ نے اول بار پیدا کیا ہے، تعجب ہے، پھر دوبارہ پیدا کرنے پر اسے قدرت کیوں نہیں مانتے؟ حالانکہ اس کا تو
صرف فرمان چلتا ہے۔ جہاں کہا، یوں ہو جاؤ وہیں ہو گیا۔ اسی لئے فرمادیا کہ انہیں اپنے پروردگار کی ملاقات سے انکار ہے۔

اس کے بعد کی آیت میں فرمایا کہ ملک الموت جو تمہاری روح کے قبض کرنے پر مقرر ہیں، تمہیں فوت کر دیں گے۔ اس آیت سے
بہ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت ایک فرشتہ کا لقب ہے۔ حضرت برا کی وہ حدیث جس کا بیان سورہ ابراہیم میں گذر چکا ہے اس سے
بھی پہلی بات یہی سمجھ میں آتی ہے اور بعض آثار میں ان کا نام عزرائیل بھی آیا ہے اور یہی مشہور ہے۔ ہاں ان کے ساتھی اور ان کے ساتھ
کام کرنے والے اور فرشتے بھی ہیں جو جسم سے روح کو نکالتے ہیں اور زخروں تک پہنچ جانے کے بعد ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ ان
کے لئے زمین سمیٹ دی گئی ہے اور ایسی ہے جیسے ہمارے سامنے کوئی طشتری رکھی ہوئی ہو کہ جو چاہا اٹھالیا۔ ایک مرسل حدیث بھی اس
مضمون کی ہے۔ ابن عباسؓ کا مقولہ بھی ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک انصاری کے سر ہانے ملک الموت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ملک الموت میرے صحابی کے
ساتھ آسانی کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ اے نبی اللہ، تسکین خاطر رکھئے اور دل خوش کیجئے، واللہ میں خود با ایمان اور نہایت ہی نرمی کرنے
والا ہوں۔ سنو! یا رسول اللہ، قسم ہے اللہ کی، دنیا تمام کے ہر کچے پکے گھر میں خواہ وہ خشکی میں ہو یا تری میں، ہر دن میں میرے پانچ پھیرے
ہوتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کو میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں جتنا وہ خود اپنے آپ کو جانتا ہے۔ یا رسول اللہ، یقین مانتے، اللہ کی قسم میں تو
ایک مچھر کی جان قبض کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا جب تک مجھے اللہ کا حکم نہ ہو۔ حضرت جعفر کا بیان ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کا دن میں
پانچ وقت ایک ایک شخص کو ڈھونڈ بھال کرنا یہی ہے کہ آپ پانچوں نمازوں کے وقت دیکھ لیا کرتے ہیں۔ اگر وہ نمازوں کی حفاظت کرنے والا
ہے تو فرشتے اس کے قریب رہتے ہیں اور شیطان اس سے دور رہتا ہے اور اس کے آخری وقت فرشتہ اسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا
ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں، ہر دن ہر گھر پر ملک الموت دو دفعہ آتے ہیں۔ کعب احبار اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دروازے پر پٹھر کر دن
بھر میں سات مرتبہ نظر مارتے ہیں کہ اس میں کوئی وہ تو نہیں جس کی روح نکالنے کا حکم ہو چکا ہو۔ پھر قیامت کے دن سب کا لوٹنا اللہ کی طرف
ہے، قبروں سے نکل کر میدان محشر میں اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اپنے کئے کا پھل پانا ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسَوُا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا
وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿١١﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا
كُلَّ نَفْسٍ هُدًى بَهِدًى وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٢﴾ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ
يَوْمِكُمْ هَٰذَا إِنَّا نَسِينَكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ
تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾

کاش کہ تو دیکھتا جبکہ یہ نگہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے، کہیں گے کہ یا اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ اب تو ہمیں واپس لوٹا دے تو نیک اعمال کریں گے ہم یقین والے ہیں ○ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت نصیب فرما دیے لیکن میری یہ بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو انسانوں اور جنوں سے پر کر دوں گا ○ اب تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا مزہ چکھو؛ ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا۔ اپنے کئے ہوئے اعمال کی شامت سے ابدی عذاب کا لطف اٹھاؤ ○

ناعاقبت اندیشو اب خمیارہ بھگتو: ☆☆ (آیت ۱۲-۱۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب یہ گنہگار اپنا دوبارہ جینا خود اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور نہایت ذلت و حقارت کے ساتھ نادم ہو کر گردنیں جھکائے سر ڈالے اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اس وقت کہیں گے کہ اے اللہ ہماری آنکھیں روشن ہو گئیں، کان کھل گئے۔ اب ہم تیرے احکام کی بجا آوری کے لئے ہر طرح تیار ہیں۔ اس دن خوب سوچ سمجھ دالے دانا بیٹا ہو جائیں گے۔ سب اندھا پن و بہرا پن جاتا رہے گا خود اپنے تئیں ملامت کرنے لگیں گے اور جہنم میں جاتے ہوئے کہیں گے کہ اگر کائنات اور آنکھوں سے دنیا میں کام لیتے تو آج جہنم نہ بنتے۔ اب اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج دے تو ہم نیک اعمال کر آئیں۔ ہمیں اب یقین ہو گیا کہ تیری ملاقات سچ ہے تیرا کلام حق ہے۔ لیکن اللہ کو خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ اگر دوبارہ بھیجے جائیں تو یہی حرکت کریں گے پھر سے اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں گے دوبارہ نبیوں کو ستائیں گے۔ جیسے کہ خود قرآن کریم کی آیت وَلَوْ تَرَىٰ اِذْ ذُو قُوفُوۡا عَلٰی النَّارِ مِیۡلَیۡنَ اَسٰی لَیۡسَ یٰہٰہَا فَرَمٰتَا ہِیۡۤ اَکْرٰہِمۡ چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے۔ جیسے فرمان ہے اگر تیرا رب چاہتا تو زمین کا ایک ایک رہنے والا مومن بن جاتا۔ لیکن اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ انسان اور جنات سے جہنم پر ہونا ہے۔ اللہ کی ذات اور اس کے پورے پورے کلمات کا یہ اٹل امر ہے۔ ہم اس کے تمام عذابوں سے پناہ چاہتے ہیں۔ دوزخیوں سے بطور سرزنش کے کہا جائے گا کہ اس دن کی ملاقات کی فراموشی کا مزہ چکھو۔ اور اس کے جھٹلانے کا خمیارہ بھگتو۔ اسے محال سمجھ کر تم نے وہ معاملہ کیا کہ جو ہر ایک بھولنے والا کیا کرتا ہے۔ اب ہم بھی تمہارے ساتھ یہی لوک کریں گے۔ اللہ کی ذات حقیقی نسیان اور بھول سے پاک ہے۔ یہ تو صرف بدلے کے طور پر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اور روایت میں بھی ہے الْیَوْمَ نَنْسَاکُمْ کَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ہٰذَا اَیۡمٌ تَمِیۡنٌ ہٰذَا اَیۡمٌ تَمِیۡنٌ بھول جاتے ہیں جیسے تم اس دن کی ملاقات کو بھولے بیٹھے تھے۔ اپنے کفر و تکذیب کی وجہ سے اب دائمی عذاب کا مزہ اٹھاؤ۔ جیسے اور آیت میں ہے لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡہَا بَرَدًا وَّلَا شَرَابًا وہاں ٹھنڈک اور پانی نہ رہے گا۔ سوائے گرم پانی اور بھوپپ کے اور کچھ نہ ہوگا۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا
 وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ
 الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ۝ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝
 فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا
 يَعْمَلُونَ ۝

ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ جنہیں جب کبھی ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اور تکبر سے الگ تھلگ رہتے ہیں ○ ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے نہیں دے رکھا ہے وہ خرچ کرتے رہتے ہیں ○ کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے۔ جو کچھ وہ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے ○

ایمان دار وہی ہے جس کے اعمال تابع قرآن ہوں: ☆ ☆ (آیت ۱۵-۱۷) سچے ایمانداروں کی نشانی یہ ہے کہ وہ دل کے کانوں سے ہماری آیتوں کو سنتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ زبانی حق مانتے ہیں اور دل سے بھی برحق جانتے ہیں۔ سجدہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں۔ اور اتباع حق سے جی نہیں چراتے۔ نہ اکڑتے ضد کرتے ہیں۔ یہ بد عادت کافروں کی ہے جیسے فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ یعنی میری عبادت سے تکبر کرنے والے ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ ان سچے ایمانداروں کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ راتوں کو نیند چھوڑ کر اپنے بستروں سے الگ ہو کر نمازیں ادا کرتے ہیں تہجد پڑھتے ہیں۔ مغرب عشاء کے درمیان کی نماز بھی بعض نے مراد لی ہے۔ کوئی کہتا ہے 'مراد اس سے عشا کی نماز کا انتظار ہے۔ اور قول ہے کہ عشاء کی اور صبح کی نماز ہا جماعت اس سے مراد ہے۔ وہ اللہ سے دعاں کرتے ہیں۔ اس کے غذاہوں سے نجات پانے کے لئے اور اس کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے۔ ساتھ ہی صدقہ و خیرات بھی کرتے رہتے ہیں۔ اپنی حیثیت کے مطابق راہ اللہ میں دیتے رہتے ہیں۔ وہ نیکیاں بھی کرتے ہیں جن کا تعلق الہی کی ذات سے ہے اور وہ نیکیاں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے جن کا تعلق دوسروں سے ہے۔ ان بہترین لہکوں میں سب سے بڑے ہوئے وہ ہیں جو درجات میں بھی سب سے آگے ہیں۔ یعنی سید اولاد آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، عیسیٰؑ، محمدؐ جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعروں میں ہے -

وَفِينَا رَسُولُ اللَّهِ يَتْلُو كِتَابَهُ إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الصُّبْحِ سَاطِعُ
 بَيْتٌ يُجَافِي حَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ إِذَا اسْتَشَقَّتْ بِالْمُشْرِكَينَ الْمَضَاجِعُ

یعنی ہم میں اللہ کے رسول ﷺ ہیں جو صبح ہوتے ہی اللہ کی پاک کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ راتوں کو جبکہ مشرکین گہری نیند میں سوتے ہیں حضورؐ کی کرمت آپ کے بستر سے الگ ہوتی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ دو شخصوں سے بہت ہی خوش ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو رات کو میٹھی نیند سویا ہوا ہے لیکن دفعتاً اپنے رب کی نعمتیں اور اس کی سزائیں یاد کر کے اٹھ بیٹھتا ہے۔ اپنے نرم و گرم بستر سے کوچہ کر میرے سامنے کھڑا ہو کر نماز شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو ایک غزوے میں ہے۔ کافروں سے لڑتے لڑتے مسلمانوں کا پانسہ

کمزور پڑ جاتا ہے۔ لیکن یہ شخص یہ سمجھ کر کہ بھاگنے میں اللہ کی ناراضگی ہے اور آگے بڑھنے میں رب کی رضامندی ہے، میدان کی طرف لوٹتا ہے اور کافروں سے جہاد کرتا ہے یہاں تک کہ اپنا سر اس کے نام پر قربان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فخر سے اپنے فرشتوں کو اسے دکھاتا ہے اور ان کے سامنے اس کے اس عمل کی تعریف کرتا ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ صبح کے وقت میں آپ کے قریب ہی چل رہا تھا۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے پیغمبر مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں پہنچا دے اور جہنم سے الگ کر دے۔ آپ نے فرمایا، تو نے سوال تو بڑے کام کا کیا لیکن اللہ جس پر آسان کر دے اس پر بہت کھل ہے۔ سن تو اللہ کی عبادت کرتا رہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر نمازوں کی پابندی کر رمضان کے روزے رکھ بیت اللہ کا حج زکوٰۃ ادا کرتا رہ۔ آ اب میں تجھے بھلائیوں کے دروازے بتاؤں۔ روزہ ڈھال ہے اور انسان کی آدمی رات کی نماز صدقہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

پھر آپ نے آیت تَتَّخِافِی کی يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا، آ اب میں تجھے اس امر کے سر اس کے ستون اور اس کی کوہان کی بلندی بتاؤں۔ اس تمام کام کا سر تو اسلام ہے اس کا ستون نماز ہے اس کے کوہان کی بلندی اللہ کی راہ کا جہاد ہے۔ پھر فرمایا، اب میں تجھے تمام کاموں کے سردار کی خبر دوں؟ پھر اپنی زبان پکڑ کر فرمایا، اسے روک رکھا میں نے کہا، کیا ہم اپنی بات چیت پر بھی پکڑے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا، اے معاذ افسوس تجھے یہ معلوم ہی نہیں کہ انسان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈلوانے والی چیز تو اس کی زبان کے کنارے ہی ہیں۔ یہی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے۔ ایک میں یہ بھی ہے کہ اس آیت تَتَّخِافِی کو پڑھ کر حضور نے فرمایا، اس سے مراد بندے کا رات کی نماز پڑھنا ہے۔ اور روایت میں حضور کا یہ فرمان مروی ہے کہ انسان کا آدمی رات کو قیام کرنا۔

پھر حضور کا اسی آیت کو تلاوت کرنا مروی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جبکہ اول و آخر سب لوگ میدانِ محشر میں جمع ہوں گے تو ایک منادی فرشتہ آواز بلند کرے گا جسے تمام مخلوق سنے گی، وہ کہے گا کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے زیادہ ذی عزت اللہ کے نزدیک کون ہے؟ پھر لوٹ کر آواز لگائے گا کہ تہجد گزار لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور اس آیت کی تلاوت فرمائے گا تو یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور گنتی میں بہت کم ہوں گے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جب یہ آیت اترتی، ہم لوگ مجلس میں بیٹھے تھے اور بعض صحابہ مغرب بعد سے لے کر عشاء تک نماز میں مشغول رہتے تھے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اس حدیث کی یہی ایک سند ہے۔

پھر فرماتا ہے ان کے لئے جنت میں کیا کیا نعمتیں اور لذتیں پوشیدہ پوشیدہ بنا کر رکھی ہیں۔ اس کا کسی کو علم نہیں۔ چونکہ یہ لوگ بھی پوشیدہ طور پر عبادت کرتے تھے اسی طرح ہم نے بھی پوشیدہ طور پر ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے دل کا سکھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو نہ کسی دل میں اس کا خیال آیا ہو۔ بخاری کی حدیث قدسی میں ہے، میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ زمینیں اور نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ کے دیکھنے میں آئیں نہ کسی کان کے سننے میں نہ کسی کے دل کے سوچنے میں آئی ہوں۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ راوی حدیث نے کہا، قرآن کی اس آیت کو پڑھ لو۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ اِلَّا مَا رَزَقَتْ مِنْ قُدْرَةِ رَبِّهَا۔ اور روایت میں فرمان رسول ہے کہ جنت کی نعمتیں جسے پلیں وہ کبھی بھی واپس نہیں ہوں گی۔ ان کے کپڑے پرانے نہ ہوں گے، ان کی جوانی ڈھلے گی نہیں، ان کے لئے جنت میں وہ ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی انسان کے دل پر ان کا وہم و گمان آیا (مسلم)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور نے جنت کا وصف بیان کرتے ہوئے آخر میں یہی فرمایا اور پھر یہ آیت تَتَّخِافِی سے يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ حدیث قدسی میں ہے، میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھی ہیں نہ کانوں

نے نہی ہیں بلکہ اندازہ میں بھی نہیں آسکتیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ رب العالمین عزوجل سے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ! ادنیٰ جنتی کا درجہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ ادنیٰ جنتی وہ شخص ہے جو کل جنتیوں کے جنت میں چلے جانے کے بعد آئے گا۔ اس سے کہا جائے گا، جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہے گا، اے اللہ کہاں جاؤں۔ ہر ایک نے اپنی جگہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اپنی چیزیں سنبھال لی ہیں۔ اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو اس پر خوش ہے کہ تیرے لئے اتنا ہو جتنا دنیا کے کسی بہت بڑے بادشاہ کے پاس تھا۔ وہ کہے گا، پروردگار میں اس پر خوش ہوں۔ اللہ فرمائے گا، تیرے لئے اتنا ہے اور اتنا ہی اور اتنا ہی اور اتنا ہی اور اتنا ہی اور اتنا ہی اور پانچ گنا۔ یہ کہے گا بس بس اے رب میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ سب ہم نے تجھے دیا اور اس کا دس گنا اور بھی دیا اور بھی جس چیز کو تیرا دل چاہے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ یہ کہے گا، میرے پروردگار میری تو باچھیں کھل گئیں، جی خوش ہو گیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا، پھر اللہ اعلیٰ درجہ کے جنتی کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جن کی خاطر و مدارات کی کرامت میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی اور اس پر اپنی مہر لگا دی ہے۔ پھر نہ تو وہ کسی کے دیکھنے میں آئی نہ کسی کے سننے میں نہ کسی کے خیال میں۔ اس کا مصداق اللہ کی کتاب کی آیت فَلَا تَعْلَمُ الرَّحْمٰنُ ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمواحدؓ فرماتے ہیں، مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک جنتی اپنی حور کے ساتھ محبت پیار میں ستر سال تک مشغول رہے گا۔ کسی دوسری چیز کی طرف اس کا التفات ہی نہیں ہوگا۔ پھر جو دوسری طرف التفات ہوگا تو دیکھے گا کہ پہلی سے بہت زیادہ خوبصورت اور نورانی شکل کی ایک اور حور ہے۔ وہ اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر خوش ہو کر کہے گی کہ اب میری مراد بھی پوری ہوگی۔ یہ کہے گا تو کون ہے؟ وہ جواب دے گی، میں اللہ کی عزید نعمتوں میں سے ہوں۔ اب یہ سراپا اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ پھر ستر سال کے بعد دوسری طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھی ایک اور حور ہے، وہ کہے گی، اب وقت آ گیا کہ آپ میں میرا حصہ بھی ہو، یہ پوچھے گا، تم کون ہو؟ وہ جواب دے گی، میں ان میں سے ہوں جن کی نسبت جناب باریؑ نے فرمایا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی کیا کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں، فرشتے جنتیوں کے پاس دنیا کے دن کے اندازے سے ہر دن میں تین تین بار جنت عدن کے اللہ کے تحفے لے کر جائیں گے جو ان کی جنت میں نہیں۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ وہ فرشتے ان سے کہیں گے کہ اللہ تم سے خوش ہے۔ حضرت ابو الیمانؓ فرمادیں یا کسی اور سے مروی ہے کہ جنت کے سدرے جے ہیں۔ پہلا درجہ چاندی کا ہے۔ اس کی زمین بھی چاندی کی، اس کے محلات بھی چاندی کے، اس کی مٹی مشک کی ہے۔ دوسرا درجہ سونے کا ہے۔ زمین بھی سونے کی، مکانات بھی سونے کے، برتن بھی سونے کے، مٹی مشک کی ہے۔ تیسری موتی کی۔ زمین بھی موتی کی، گھر بھی موتی کے، برتن بھی موتی کے اور مٹی مشک کی۔ اور باقی ستانوں سے تو وہ ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے نہ کسی انسان کے دل میں گزرے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

ابن جریر میں ہے، آنحضرت ﷺ حضرت روح الامیتؑ سے روایت کرتے ہیں کہ انسان کی نیکیاں بدیاں لائی جائیں گی۔ بعض بعض سے کم کی جائیں گی، پھر اگر ایک نیکی بھی باقی بچ گئی تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھادے گا اور جنت میں کشادگی عطا فرمائے گا۔ راوی نے یزاد سے پوچھا کہ نیکیاں کہاں چلی گئیں؟ تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی اُولَئِكَ الَّذِينَ نَقَبْلُ عَنْهُمْ احْسَنَ مَا عَمِلُوا وَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ الرَّحْمٰنُ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے، جیسے اعمال ہم نے قبول فرمائے اور ان کی برائیوں سے ہم نے درگزر فرمایا۔ راوی نے کہا، پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں؟ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ اِلَّا مَا بَايَنَدَہُ جب کوئی نیکی لوگوں سے چھپا کر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس کے آرام کی خبریں جو اس کے لئے پوشیدہ رکھ چھوڑی تھیں، عطا فرمائے گا۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوْنَ ﴿١٨﴾ اَمَّا الَّذِينَ
 اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَاوٰی نُزُلًا بِمَا كَانُوا
 يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَاَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا اَرَادُوْا
 اَنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُقُوْا عَذَابَ
 النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَكْذِبُوْنَ ﴿٢٠﴾

کیا وہ جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو فاسق ہو؟ برابر نہیں ہو سکتے ○ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال بھی کئے ان کے لئے بیشکی والی جنتیں ہیں مہمان داری ہے ان کے ان اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے ○ لیکن جن لوگوں نے حکم عدولیٰ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب کبھی اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ اپنے جھٹلانے کے بدلے آگ کا عذاب چکھو ○

نیک و بد دونوں ایک دوسرے کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے ☆ ☆ (آیت: ۱۸-۲۰) اللہ تعالیٰ کے عدل و کرم کا بیان ان آیتوں میں ہے کہ اس کے نزدیک نیک کار اور بدکار برابر نہیں۔ جیسے فرمان ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ الْخ یعنی کیا ان لوگوں نے جو برائیاں کر رہے ہیں یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ایمان اور نیک عمل والوں کی مانند کر دیں گے؟ ان کی موت زیست برابر ہے۔ یہ کیسے بڑے منصوبے بنا رہے ہیں۔ اور آیت میں ہے اَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ الْخ یعنی ایماندار نیک عمل لوگوں کو کیا ہم زمین کے فساد یوں کے ہم پلہ کر دیں؟ پرہیزگاروں کو گنہگاروں کے برابر کر دیں؟ اور آیت میں ہے لَا يَسْتَوِيْ اَصْحَابُ النَّارِ وَاَصْحَابُ الْحَنَّةِ دوزخی اور رضقی برابر نہیں ہو سکتے۔ یہاں بھی فرمایا کہ مومن اور فاسق قیامت کے دن ایک مرتبہ کے نہیں ہوں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ اور عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

پھر ان دونوں قسموں کا تفصیلی بیان فرمایا کہ جس نے اپنے دل سے کلام اللہ کی تقدیق کی اور اس کے مطابق عمل بھی کیا تو انہیں وہ جنتیں ملیں گی جن میں مکانات ہیں۔ بلند بالا خانے ہیں اور رہائش و آرام کے تمام سامان ہیں۔ یہ ان کی نیک اعمالی کے بدلے میں مہمانداری ہوگی اور جن لوگوں نے اطاعت چھوڑ دی ان کی جگہ جہنم میں ہوگی جس میں سے وہ نکل نہ سکیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا یعنی جب کبھی وہاں کے غم سے چھٹکارا چاہیں گے دوبارہ وہیں جھونک دیئے جائیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں واللہ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے آگ کے شعلے انہیں اوپر نیچے لے جا رہے ہوں گے فرشتے انہیں سزا میں کر رہے ہوں گے اور جھڑک کر فرماتے ہوں گے کہ اس جہنم کے عذاب کا لطف اٹھاؤ جسے تم جھوٹا جانتے تھے۔

وَلَنَذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ
 لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ
 اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنتَقِمُوْنَ ﴿٢٢﴾

بالمیقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب اس بڑے عذاب سے پہلے اس کے سوا بھی چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں ○ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ کی آنتوں سے وعظ کیا گیا۔ پھر بھی اس نے ان سے منہ پھیر لیا یقین مانو کہ ہم بھی گنہگاروں سے انتقام لینے والے ہیں ○

(آیت: ۲۱-۲۲) عذاب ادنیٰ سے مراد دنیوی مصیبتیں آفتیں دکھ درد اور بیماریاں ہیں۔ یہ اس لئے ہوتی ہیں کہ انسان ہوشیار ہو جائے اور اللہ کی طرف جھک جائے اور بڑے عذابوں سے نجات حاصل کرے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد گناہوں کی وہ مقرر کردہ سزائیں ہیں جو دنیا میں دی جاتی ہیں جنہیں شرعی اصطلاح میں حدود کہتے ہیں۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ نسائی میں ہے کہ اس سے مراد قسط سالیاں ہیں۔ حضرت ابی فرماتے ہیں چاند کا شق ہو جانا دھوس کا آنا اور پکڑ اور برباد کن عذاب اور بدروالے دن ان کفار کا قید ہونا اور قتل کیا جانا ہے۔ کیونکہ بدر کی اس شکست نے مکے کے گھر گھر کو ماتم کدہ بنا دیا تھا۔ ان عذابوں کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

پھر فرماتا ہے جو اللہ کی آیتیں سن کر اس کی وضاحت کو پا کر ان سے منہ موڑ لے بلکہ ان کا انکار کر جائے اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ کے ذکر سے اعراض نہ کرو ایسا کونے والے بے عزت بے وقعت اور بڑے گنہگار ہیں۔ یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ ایسے گنہگاروں سے ہم ضرور انتقام لیں گے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے تین کام جس نے کئے وہ مجرم ہو گیا۔ جس نے بے وجہ کوئی جھنڈا باندھا جس نے ماں باپ کی نافرمانی کی جس نے ظالم کے ظلم میں اس کا ساتھ دیا یہ مجرم لوگ ہیں اور اللہ کا فرمان ہے کہ ہم مجرموں سے باز پرس کریں گے اور ان سے پورا بدلہ لیں گے۔ (ابن ابی حاتم)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ
وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَّهْدُونَ
بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَتِنَا يُوقِنُونَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ
يَفْصِلُ بَيْنَهُم يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ

بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی ہرگز اس کی ملاقات میں شک نہ کرنا چاہئے اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کی ہدایت کا ذریعہ بنایا ○ اور ہم نے ان میں سے چونکہ ان لوگوں نے ممبر کیا تھا ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور تھے بھی وہ ہماری آنتوں پر یقین رکھتے ○ خیر ارباب ان سب کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ قیامت کے دن کر دے گا جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ○

شب معراج اور نبی اکرم ﷺ ☆ ☆ (آیت: ۲۳-۲۵) فرماتا ہے ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات دی۔ تو اس کی ملاقات کے بارے میں شک و شبہ میں نہ رہ۔ قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی معراج والی رات میں۔ حدیث میں ہے میں نے معراج والی رات حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گندم گوں رنگ کے لالہ بنے قد کے گھونگریالے بالوں والے تھے۔ ایسے جیسے قبیلہ شنوہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ اسی رات میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا۔ وہ درمیانہ قد کے سرخ و سفید تھے سیدھے بال تھے۔ میں نے اسی رات حضرت مالک کو دیکھا جو جہنم کے داروغہ ہیں اور دجال کو دیکھا۔ یہ سب ان نشانیوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائیں۔ پس تو اس ملاقات میں شک و شبہ نہ کر۔ آپ نے یقیناً حضرت موسیٰ کو دیکھا اور ان سے ملے جس رات آپ کو معراج کرائی گئی۔ حضرت موسیٰ کو ہم نے بنی اسرائیل کا ہادی بنا دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ہم نے اسرائیلیوں کو ہدایت دی۔ جیسے سورہ بنی اسرائیل میں ہے وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ

وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَآئِيلَ اَلْح یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنو اسرائیل کے لئے ہادی بنایا کہ تم میرے سوا کسی کو کار ساز نہ سمجھو۔ پھر فرماتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اس کی نافرمانیوں کے ترک اس کی باتوں کی تصدیق اور اس کے رسولوں کی اتباع و صبر میں جتنے رہے، ہم نے ان میں سے بعض کو ہدایت کے پیشوا بنادیا جو اللہ کے احکام لوگوں کو پہنچاتے ہیں، بھلائی کی طرف بلاتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں۔ لیکن جب ان کی حالت بدل گئی انہوں نے کلام اللہ میں تبدیلی، تحریف، تاویل شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے یہ منصب چھین لیا، ان کے دل سخت کر دیئے، عمل صالح اور اعتقاد صحیح ان سے دور ہو گیا۔ پہلے تو یہ دنیا سے بچے ہوئے تھے۔ حضرت سفیانؓ فرماتے ہیں یہ لوگ پہلے ایسے ہی تھے لہذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی پیشوا ہو جس کی یہ اقتدا کر کے دنیا سے بچا ہو رہے۔ آپ فرماتے ہیں دین کے لئے علم ضروری ہے جیسے جسم کے لئے غذا ضروری ہے۔ حضرت سفیانؓ سے حضرت علیؓ کے اس قول کے بارے میں سوال ہوا کہ صبر کا درجہ ایمان میں کیسا ہے؟ فرمایا، ایسا ہے جیسا سر کا جسم میں۔ کیا تو نے اللہ کے اس فرمان کو نہیں سنا؟ ہم نے ان کے صبر کی وجہ سے ان کو ایسا پیشوا بنادیا کہ وہ ہمارے حکم کی ہدایت کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا، مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے تمام کاموں کو اپنے ذمہ لے لیا، اللہ نے بھی انہیں پیشوا بنادیا۔ چنانچہ فرمان ہے، ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب و حکمت اور نبوت دی اور پاکیزہ روزیاں عنایت فرمائیں اور جہان والوں پر فضیلت دی۔ یہاں بھی آیت کے آخر میں فرمایا کہ جن عقائد و اعمال میں ان کا اختلاف ہے، ان کا فیصلہ قیامت کے دن خود اللہ کرے گا۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ
فِي مَسْكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿٢٦﴾ أَوَلَمْ
يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرْزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا
تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿٢٧﴾

کیا اس بات نے کبھی انہیں ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے مکانات میں یہ چل پھر رہے ہیں اس میں تو بڑی بڑی عبرتیں ہیں، کیا پھر بھی یہ نہیں سنتے؟ ﴿۲۶﴾ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو بجز غیر آباد زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں۔ پھر اس کی وجہ سے ہم کھیتیں نکالتے ہیں جسے ان کے چوپائے اور یہ خود کھاتے ہیں، کیا یہ پھر بھی نہیں دیکھتے؟ ﴿۲۷﴾

دور یائے نیل کے نام عمر رضی اللہ عنہ کا خط: ☆☆ (آیت ۲۶-۲۷) کیا یہ اس بات کے ملاحظہ کے بعد بھی راہ راست پر نہیں چلتے کہ ان سے پہلے کے گمراہوں کو ہم نے تہہ و بالا کر دیا ہے۔ آج ان کے نشان مٹ گئے۔ انہوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا، اللہ کی باتوں سے بے پرواہی کی۔ اب یہ جھٹلانے والے بھی ان ہی کے مکانات میں رہتے سہتے ہیں۔ ان کی ویرانی، ان کے اگلے مالکوں کی ہلاکت ان کے سامنے ہے۔ لیکن تاہم یہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے کئی جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ غیر آباد کھنڈر، یہ اجڑے ہوئے محلات تو تمہاری آنکھوں کو اور تمہارے کانوں کو کھولنے کے لئے اپنے اندر بہت سی نشانیاں رکھتے ہیں۔

دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم کو احسان و انعام کو بیان فرما رہا ہے کہ آسمان سے پانی اتارتا ہے۔ پہاڑوں سے اونچی جگہوں سے سمٹ کر ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعہ ادھر ادھر پھیل جاتا ہے۔ بجز غیر آباد زمین میں اس سے ہریالی ہی ہریالی ہو جاتی ہے۔ خشکی تری سے

موت زیت سے بدل جاتی ہے۔ گو فسرین کا قول یہ بھی ہے کہ جُرزُ مصر کی زمین ہے لیکن یہ ٹھیک ہے۔ ہاں مصر میں بھی ایسی زمین ہوتی ہو۔ آیت میں مراد تمام وہ حصے ہیں جو سوکھ گئے ہوں جو پانی کے محتاج ہوں سخت ہو گئے ہوں زمین پیوست (خشکی) کے مارے پھٹنے لگی ہو۔ بیشک مصر کی زمین بھی ایسی ہے۔ دریائے نیل سے وہ سیراب کی جاتی ہے۔ جش کی بارشوں کا پانی اپنے ساتھ سرخ رنگ کی مٹی کو بھی گھسیٹتا جاتا ہے اور مصر کی زمین جو شور اور ریتلی ہے وہ اس پانی اور اس مٹی سے کھیتی کے قابل بن جاتی ہے اور ہر سال ہر فصل کا غلہ تازہ پانی سے انہیں میسر آتا ہے جو ادھر ادھر کا ہوتا ہے۔ اس حکیم و کریم منان و رحیم کی یہ سب مہربانیاں ہیں۔ اسی کی ذات قابل تعریف ہے۔

روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو مصر والے بوائی کے مہینے میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہماری قدیمی عادت ہے کہ اس مہینے میں کسی کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور اگر نہ چڑھائیں تو دریا میں پانی نہیں آتا۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس مہینے کی بارہویں تاریخ کو ایک باکرہ لڑکی کو جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی ہو اس کے والدین کو دے دلا کر رضامند کر لیتے ہیں اور اسے بہت عمدہ کپڑے اور بہت قیمتی زیور پہنا کر بنا سنوار کر اس نیل میں ڈال دیتے ہیں تو اس کا بہاؤ چڑھتا ہے ورنہ پانی چڑھتا ہی نہیں۔ سہ سالہ اسلام حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر نے جواب دیا کہ یہ ایک جاہلانہ اور احقانہ رسم ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو ایسی عادتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ تم اب ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ باز رہے لیکن دریائے نیل کا پانی نہ چڑھا۔ مہینہ پورا نکل گیا لیکن دریا خشک رہا۔ لوگ تنگ آ کر ارادہ کرنے لگے کہ مہرہ جھوڑ دیں یہاں کی بود و باش ترک کر دیں اب فاتح مصر کو خیال گزرتا ہے اور دربار خلافت کو اس سے مطلع فرماتے ہیں۔ اسی وقت خلیفہ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ آپ نے جو کیا اچھا کیا اب میں اپنے اس خط میں ایک پرچہ دریائے نیل کے نام بھیج رہا ہوں۔ تم اسے لے کر نیل کے دریا میں ڈال دو۔ حضرت عمر بن عاصؓ نے اس پرچے کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ خط ہے اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کی طرف۔

بعد حمد و صلوة کے مطلب یہ ہے کہ اگر تو اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے چل رہا ہے تب تو خیر نہ چل اگر اللہ تعالیٰ واحد و قہار تجھے جاری رکھتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ تجھے رواں کر دے۔ یہ پرچہ لے کر حضرت امیر عسکر نے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ ابھی ایک رات بھی گزرنے نہیں پائی تھی جو دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگا اور اسی وقت مصر کی خشک سالی ترسالی سے گرانی ارزانی سے بدل گئی۔ خط کے ساتھ ہی خط کا خط سرسبز ہو گیا اور دریا پوری روانی سے بہتا رہا۔ اس کے بعد سے ہر سال جو جان چڑھائی جاتی تھی وہ بچ گئی اور مصر سے اس ناپاک رسم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوا۔ (کتاب السنہ للحافظ ابوالقاسم اللہ لکائی)۔

اسی آیت کے مضمون کی آیت یہ بھی ہے فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ الخ یعنی انسان اپنی غذا کو دیکھے کہ ہم نے بارش اتاری اور زمین پھاڑ کر اناج اور پھل پیدا کئے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کیا یہ لوگ اسے نہیں دیکھتے؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جرزہ زمین ہے جس پر بارش ناکافی برسی ہے پھر نالوں اور نہروں کے پانی سے وہ سیراب ہوتی ہے۔ مجاہدؓ فرماتے ہیں یہ زمین یمن میں ہے۔ حسنؓ فرماتے ہیں ایسی بستیاں یمن اور شام میں ہیں۔ ابن زیدؓ وغیرہ کا قول ہے یہ وہ زمین ہے جس میں پیداوار نہ ہو اور غبار آلود ہو۔ اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ الخ ان کے لئے مردہ زمین بھی ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کر دیتے ہیں۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْفَتْحُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۵﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْتَظَرُونَ ﴿۳۶﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِلَهُمُ الْمُنتَظَرُونَ ﴿۳۷﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ۔ جواب دے کہ فیصلہ والے دن ایمان لاتا ہے ایمانوں کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی ○
اب تو ان کا خیال بھی چھوڑ دے اور منتظر رہ۔ یہ بھی منتظر ہیں ○

نافرمان اپنی بربادی کو آپ بلاوا دیتا ہے: ☆ ☆ (آیت ۲۸: ۳۰) کافر اعتراضاً کہا کرتے تھے کہ اے نبی تم جو ہمیں کہا کرتے ہو اور اپنے ساتھیوں کو بھی مطمئن کر دیا ہے کہ تم ہم پر فتح پاؤ گے اور ہم سے بدلے لو گے، وہ وقت کب آئے گا؟ ہم تو مدتوں سے تمہیں مغلوب، زیر اور بے وقت دیکھ رہے ہیں۔ چھپ رہے ہو، ڈر رہے ہو، اگر سچے ہو تو اپنے غلبے کا اور اپنی فتح کا وقت تو بتاؤ۔ اللہ فرماتا ہے کہ جب عذاب الہی آ جائے گا اور جب اس کا غصہ اور غضب اتر پڑتا ہے، خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں، اس وقت کا نہ تو ایمان نفع دیتا ہے نہ مہلت ملتی ہے۔ جیسے فرمان ہے فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الخ یعنی جب ان کے پاس اللہ کے پیغمبر دلیلیں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر نازاں ہونے لگے، پوری دواؤں تک۔ اس سے فتح مکہ مراد نہیں۔ فتح مکہ والے دن تو رسول اللہ ﷺ نے کافروں کا اسلام لانا قبول فرمایا تھا اور تقریباً دو ہزار آدمی اس دن مسلمان ہوئے تھے۔

اگر اس آیت میں یہی فتح مکہ مراد ہوتی تو چاہیے تھا کہ اللہ کے پیغمبر علیہ السلام ان کا اسلام قبول نہ فرماتے۔ جیسے اس آیت میں ہے کہ اس دن کافروں کا اسلام لانا ناقابل قبول ہوگا۔ بلکہ یہاں مراد فتح سے فیصلہ ہے۔ جیسے قرآن میں ہے فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا مَرَامٍ اور میان تو فتح کر یعنی فیصلہ کر۔ اور جیسے اور مقام پر ہے قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں جمع کرے گا۔ پھر ہمارے آپس کے فیصلے فرمائے گا۔ اور آیت میں ہے وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ یہ فیصلہ چاہتے ہیں، سرکش ضدی تباہ ہوئے۔ اور جگہ ہے وَكَانُوا مِنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح چاہتے تھے۔ اور آیت میں فرمان باری ہے إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ اگر تم فیصلے کے آرزو مند ہو تو لو فتح آگئی۔

پھر فرماتا ہے آپ ان مشرکین سے بے پرواہ ہو جائیے، جو رب نے اتارا ہے اُسے پہنچاتے رہیے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اپنے رب کی وحی کی اتباع کرو اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ پھر فرمایا، تم اپنے رب کے وعدوں کو سچا مان لو اس کی باتیں اٹل ہیں، اس کے فرمان سچے ہیں، وہ عنقریب تجھے تیرے مخالفین پر غالب کرے گا، وہ وعدہ خلائی سے پاک ہے، یہ بھی منتظر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ آپ پر کوئی آفت آئے لیکن ان کی یہ چاہتیں بے سود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے والوں کو بھولتا نہیں، نہ انہیں چھوڑتا ہے، بھلا جو رب کے احکام پر جے رہیں اللہ کی باتیں دوسروں کو پہنچائیں، وہ تائید ایزدی سے کیسے محروم کر دیئے جائیں؟ یہ جو کچھ تم پر دیکھنا چاہتے ہیں، وہ ان پر اتارے گا، بدبختی (عنت) و اوبار میں ہائے واویلا میں گرفتار کئے جائیں گے۔ رب کے عذابوں کا شکار ہوں گے۔ کہہ دو کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کار ساز ہے۔

اللہ کے فضل و کرم اور لطف و رحم سے سورہ سجدہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ

تفسیر سورۃ الاحزاب

حضرت زرّ سے ابی بن کعبؓ نے پوچھا کہ سورۃ احزاب کی کتنی آیتیں شمار ہوتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: تہتر۔ حضرت ابیؓ نے فرمایا: نہیں نہیں میں نے تو دیکھا ہے کہ یہ سورت سورۃ بقرہ کے قریب تھی۔ اسی میں یہ آیت بھی پڑھی جاتی تھی الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَبَا فَأَرْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ یعنی جب بڑی عمر کا مرد اور بڑی عمر کی عورت بدکاری کریں تو انہیں ضرور سنگسار کرو۔ یہ سزا ہے اللہ کی طرف سے۔ اللہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔ (مسند احمد) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کی کچھ آیتیں اللہ کے حکم سے ہٹائی گئیں۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۖ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۖ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا

بہت ہی رحم و کرم والے سچے معبود کے نام سے شروع

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آ جانا اللہ تعالیٰ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہے ○ جو کچھ تیری جانب تیرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے اس کی تابعداری کرتا رہے یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے ○ تو اللہ ہی پر توکل رکھو وہ کار سازی کے لئے کافی ہے ○

اللہ پر توکل رکھو: ☆☆ (آیت: ۱-۳) تنبیہ کی ایک موثر صورت یہ بھی ہے کہ بڑے کو کہا جائے تاکہ چھوٹا چوکنا ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو کوئی بات تاکید سے کہے تو ظاہر ہے کہ اوروں پر وہ تاکید اور بھی زیادہ ہے۔ تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ثواب کے طلب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت کی جائے۔ اور فرمان باری کے مطابق اس کے عذابوں سے بچنے کے لئے اس کی نافرمانیاں ترک کی جائیں۔ کافروں اور منافقوں کی باتیں نہ ماننا نہ ان کے مشوروں پر کاربند ہونا نہ ان کی باتیں قبولیت کے ارادے سے سنا۔ علم و حکمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

چونکہ وہ اپنے وسیع علم سے ہر کام کا نتیجہ جانتا ہے اور اپنی بے پایاں حکمت سے اس کی کوئی بات کوئی فعل غیر حکیمانہ نہیں ہوتا تو تو اس کی اطاعت کرتا رہو تاکہ بد انجام سے اور بگاڑ سے بچا رہے۔ جو قرآن و سنت تیری طرف وحی ہو رہا ہے اس کی پیروی کر اللہ پر کسی کا کوئی فعل مخفی نہیں۔ اپنے تمام امور و احوال میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھو۔ اس پر بھروسہ کرنے والوں کو وہ کافی ہے۔ کیونکہ تمام کار سازی پر وہ قادر ہے اس کی طرف جھکنے والا کامیاب ہی کامیاب ہے۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِۦ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمْ
الَّتِي تَنْظُرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ ذٰلِكُمْ
قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ
اَدْعُوْهُمْ لِاَبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اَبَاءَهُمْ
فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا
اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

کسی آدمی کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں رکھے اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھے ہو انہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچ کی جگہ کی ماں نہیں بنایا اور نہ تمہارے لے پالک لڑکوں کو تمہارے واقعی بیٹے بنایا ہے یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا اور وہی سیدھی راہ بھاتا ہے ○ لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ۔ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے پھر اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ تم سے بھول چوک سے جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم قصد اور ارادہ دل سے کرو اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنہا مہربان ہے ○

سچ بدل نہیں سکتا لے پالک بیٹا نہیں بن سکتا: ☆ ☆ (آیت: ۴-۵) مقصود کو بیان کرنے سے پہلے بطور مقدمے اور ثبوت کے مثلاً ایک وہ بات بیان فرمائی ہے جسے سب محسوس کرتے ہیں اور پھر اس کی طرف سے ذہن ہٹا کر اپنے مقصود کی طرف لے گئے۔ بیان فرمایا کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی انسان کے دل دو نہیں ہوتے۔ اسی طرح تم سمجھ لو کہ اپنی جس بیوی کو تم ماں کہہ دو تو وہ واقعی ماں نہیں ہو جاتی۔ ٹھیک اسی طرح دوسرے کی اولاد کو اپنا بیٹا لینے سے وہ سچ بیٹا ہی نہیں ہو جاتا۔ اپنی بیوی سے اگر کسی نے بحالت غضب و غصہ کہہ دیا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی بیٹہ تو اس کہنے سے وہ سچ بیٹا ہی نہیں بن جاتی۔ جیسے فرمایا مَا هُنَّ اُمَّهَاتُهُمْ اِنَّ اُمَّهَاتُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ وَلَٰكِنَّهُمْ الْاِنْسَ اِیسا کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جاتیں ماں تو وہ ہیں جن کے بطن سے یہ پیدا ہوئے ہیں۔ ان دونوں باتوں کے بیان کے بعد اصل مقصود کو بیان فرمایا کہ تمہارے لے پالک لڑکے بھی درحقیقت تمہاری اولاد نہیں۔ یہ آیت حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے جو حضورؐ کے آزاد کردہ تھے۔ انہیں حضورؐ نے نبوت سے پہلے اپنا متبئی بنا رکھا تھا۔ انہیں زید بن محمدؐ کہا جاتا تھا۔

اس آیت سے اس نسبت اور اس الحاق کا توڑ دینا منظور ہے جیسے کہ اسی سورت کے اثنا میں ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ اَلْحَقُّ تم میں سے کسی مرد کے باپ محمد (ﷺ) نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ یہاں فرمایا یہ تو صرف تمہاری ایک زبانی بات ہے جو تم کسی کے لڑکے کو کسی کا لڑکا کہو اس سے حقیقت بدل نہیں سکتی۔ واقع میں اس کا باپ وہ ہے جس کی بیٹھ سے یہ نکلا۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک لڑکے کے دو باپ ہوں جیسے یہ ناممکن ہے کہ ایک سینے میں دو دل ہوں۔ اللہ تعالیٰ حق فرمانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت ایک قریشی کے بارے میں اتری ہے جس نے مشہور کر رکھا تھا کہ اس کے دو دل ہیں اور دونوں عقل و فہم سے پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تردید کر دی۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نماز میں تھے۔ آپ کو کچھ خطرہ گزرا اس پر جو منافق نماز میں شامل تھے وہ کہنے لگے دیکھو اس کے دو دل ہیں۔ ایک تمہارے ساتھ۔ ایک ان کے ساتھ۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ

نے کسی شخص کے سینے میں دودول نہیں بنائے۔ زہریؒ فرماتے ہیں: یہ تو صرف بطور مثال کے فرمایا گیا ہے یعنی جس طرح کسی شخص کے دودول نہیں ہوتے۔ اسی طرح کسی بیٹے کے دودول نہیں ہوتے۔ اسی کے مطابق ہم نے بھی اس آیت کی تفسیر کی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

پہلے تو رخصت تھی کہ لے پالک لڑکے کو پالنے والے کی طرف نسبت کر کے اس کا بیٹا کہہ کر پکارا جائے لیکن اب اسلام نے اس کو منسوخ کر دیا ہے اور فرمادیا کہ ان کے جو اپنے حقیقی باپ ہیں، ان ہی کی طرف منسوب کر کے انہیں پکارو۔ عدل، نیکی، انصاف اور سچائی یہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اس آیت کے اترنے سے پہلے ہم حضرت زید کو زید بن محمدؒ کہا کرتے تھے لیکن اس کے نازل ہونے کے بعد ہم نے یہ کہنا چھوڑ دیا۔ بلکہ پہلے تو ایسے لے پالک کے وہ تمام حقوق ہوتے تھے جو سگی اور صلیبی اولاد کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے اترنے کے بعد حضرت سہلہ بنت سہیلؓ حاضر خدمت نبویؐ ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم نے سالم کو منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اب قرآن نے ان کے بارے میں فیصلہ کر دیا۔ میں اس سے اب تک پردہ نہیں کرتی، وہ آتے جاتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ میرے خاوند حضرت حذیفہ ان کے اس طرح آنے سے کچھ بیزار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: پھر کیا ہے جاؤ سالم کو اپنا دودھ پلا دو۔ اس پر حرام ہو جاؤ گی۔

الغرض یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب صاف لفظوں میں ایسے لڑکوں کی بیویوں کی بھی حلت انہیں لڑکا بنانے والوں کے لئے بیان فرمادی۔ اور جب حضرت زیدؓ نے اپنی بیوی صاحبہ حضرت زینب بنت جحشؓ کو طلاق دے دی تو آپؐ نے خود اپنا نکاح ان سے کر لیا اور مسلمان اس ایک مشکل سے بھی چھوٹ گئے۔ فالحمد للہ۔ اسی کا لحاظ رکھتے ہوئے جہاں حرام عورتوں کا ذکر کیا وہاں فرمایا: وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ یعنی تمہاری اپنی صلب سے جوڑ کے ہوں، ان کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔ ہاں رضاعی لڑکا نسبی اور صلیبی لڑکے کے حکم میں ہے۔ جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ پیار سے کسی کو بیٹا کہہ دینا یہ اور چیز ہے۔ یہ ممنوع نہیں۔

مسند احمد وغیرہ میں ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ہم سب خاندان عبدالمطلب کے چھوٹے بچوں کو مزدلفہ سے رسول اللہ ﷺ نے رات کو ہی جمرات کی طرف رخصت کر دیا اور ہماری رانیں تھکتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا: میرے بیٹے سورج نکلنے سے پہلے جمرات پر نکل گئیں نہ مارنا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰ ہجری ماہ ذی الحجہ کا ہے اور اس کی دلالت ظاہر ہے۔ حضرت زید بن حارثہؓ جن کے بارے میں یہ حکم اتر آیا سنہ ۸ ہجری میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ صحیح مسلم شریف میں مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا بیٹا کہہ کر بلایا۔

اسے بیان فرما کر کہ لے پالک لڑکوں کو ان کے باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا کر دپالنے والوں کی طرف نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور اسلامی دوست ہیں۔ حضورؐ جب عمرہ القضاء والے سال مکہ شریف سے واپس لوٹے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہتی ہوئی آپ کے پیچھے دوڑیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں لے کر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا اور فرمایا: یہ تمہاری چچا زاد بہن ہیں۔ انہیں اچھی طرح رکھو۔ حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ فرمانے لگے: اس بچی کے حقدار ہم ہیں، ہم انہیں پالیں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے: نہیں یہ میرے ہاں رہیں گی۔ حضرت علیؓ نے تو یہ دلیل دی کہ میرے چچا کی لڑکی ہیں۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: میرے بھائی کی لڑکی ہے۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے: میرے چچا کی لڑکی ہیں اور ان کی چچی میرے گھر میں ہیں یعنی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ آخر حضور ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ صاحبزادی تو اپنی خالہ کے پاس رہیں کیونکہ خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔ حضرت علیؓ سے فرمایا: تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا 'تو صورت سیرت میں میرے مشابہ ہے' حضرت زیدؓ سے فرمایا 'تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولیٰ ہے۔ اس حدیث میں بہت سے احکام ہیں۔ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ حضورؐ نے حکم حق سنا کر اور دعویٰ داروں کو بھی ناراض نہیں ہونے دیا اور آپؐ نے اسی آیت پر عمل کرتے ہوئے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا 'تم ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہو۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا 'اسی آیت کے ماتحت میں تمہارا بھائی ہوں۔ ابی فرماتے ہیں 'واللہ اگر یہ بھی معلوم ہوتا کہ ان کے والد کوئی ایسے ویسے ہی تھے تو بھی یہ ان کی طرف منسوب ہوتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف سے دوسرے کی طرف کرے اس نے نافر کیا۔ اس سے سخت وعید پائی جاتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ صحیح نسب سے اپنے آپ کو ہٹانا بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔

پھر فرماتا ہے 'جب تم نے اپنے طور پر حقیقی طاقت تم میں ہے تحقیق کر کے کسی کو کسی کی طرف نسبت کیا اور فی الحقیقت وہ نسبت غلط ہے تو اس خطا پر تمہاری پکڑ نہیں۔ چنانچہ خود پروردگار نے ہمیں ایسی دعا تعلیم دی کہ ہم اس کی جناب میں کہیں رَبَّنَا لَا تَوَاحِدُنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا اے اللہ ہماری بھول چوک اور غلطی پر ہمیں نہ پکڑ۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعا پڑھی جناب باری عز اسمہ نے فرمایا میں نے یہ دعا قبول فرمائی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے 'جب حاکم اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے اپنے اجتہاد میں صحت کو پہنچ جائے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر خطا کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے میری امت کو ان کی خطائیں بھول چوک اور جو کام ان سے زبردستی کرائے جائیں ان سے درگزر فرمایا ہے۔ یہاں بھی یہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہاں جو کام تم قصد قلب سے عدا کر دو وہ بیشک قابل گرفت ہیں۔ قسموں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ اوپر جو حدیث بیان ہوئی کہ نسب بدلنے والا کفر کا مرتکب ہے وہاں بھی یہ لفظ ہیں کہ باوجود جاننے کے۔ آیت قرآن جواب تلاوت منسوخ ہے اس میں تھا فَإِنْ كَفَرًا بِحُكْمِ أَنْ تَرْعَوْا عَنْ آبَائِكُمْ یعنی تمہارا اپنے باپ کی طرف سے نسبت ہٹانا کفر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اس میں رجم کی بھی آیت تھی۔ حضورؐ نے خود بھی رجم کیا (یعنی شادی شدہ زانیوں کو سنگسار کیا) اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ ہم نے قرآن میں یہ آیت بھی پڑھی ہے کہ اپنے باپوں سے اپنا سلسلہ نسب نہ ہٹاؤ۔ یہ کفر ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے مجھے تم میری تعریفوں میں اس طرح بڑھاؤ ہاں دینا جیسے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ تو تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول اللہ کہنا۔ ایک روایت میں صرف ابن مریم ہے۔ اور حدیث میں ہے 'تین خصلتیں لوگوں میں ہیں جو کفر ہیں۔ نسب میں طعنہ زنی، میت پر نوحہ ستاروں سے باران طلبی۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ
إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ
مَسْطُورًا

پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں۔ اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ اور رشتے دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنوں اور مہاجروں کے آپس میں زیادہ حق دار ہیں۔ ہاں انہیں اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک کرنے کی اجازت ہے یہ حکم کتاب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ○

مکمل ایمان کی ضروری شرط: ☆ ☆ (آیت: ۶) چونکہ رب العزت وحدہ لا شریک لہ کو علم ہے کہ حضورؐ اپنی امت پر خود ان کی اپنی جان

سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔ اس لئے آپ کو ان کی اپنی جان سے بھی ان کا زیادہ اختیار دیا۔ یہ خود اپنے لئے کوئی تجویز نہ کریں بلکہ ہر حکم رسول کو بدل و جان قبول کرتے جائیں جیسے فرمایا فَلَاحَ وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ اِلَّا بِمَا نَزَّلْنَا بِهِ مِنَ الْكِتَابِ وَهُمْ كَافِرُونَ۔ جب تک کہ اپنے آپس کے تمام اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں اور تیرے تمام تراکام اور فیصلوں کو بدل و جان بکشاہ پیشانی قبول نہ کر لیں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی با ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے نفس سے اس کے مال سے اس کی اولاد سے اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! آپ مجھے تمام جہان سے زیادہ محبوب ہیں لیکن ہاں خود میرے اپنے نفس سے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں عمرؓ جب تک کہ میں تجھے خود تیرے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ یہ سن کر جناب فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے قسم اللہ کی یا رسول اللہ! آپ اب مجھے ہر چیز سے یہاں تک کہ میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں آپ نے فرمایا اب ٹھیک ہے۔ بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں تمام مومنوں کا زیادہ حقدار دنیا اور آخرت میں خود ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ میں ہوں۔ اگر تم چاہو تو پڑھو اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِمَا لَمْ یَخْلُقْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ سَنُوْجُ مَسْلَمَانَ مَالٍ جَمُوْزٍ کَرَمَرٍ اَسْ کَالِ مَالٍ تُوْاسَ کَے وارثوں کا حصہ ہے اور اگر کوئی مر جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو یا اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو اس قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں اور ان بچوں کی پرورش میرے ذمے ہے۔

پھر فرماتا ہے حضورؐ کی ازواج مطہرات حرمت اور احترام میں عزت اور اکرام میں بزرگی اور عظام میں تمام مسلمانوں میں ایسی ہیں جیسے خود ان کی اپنی مائیں۔ ہاں ماں کے اور احکام مثلاً خلوت یا ان کی لڑکیوں اور بہنوں سے نکاح کی حرمت یہاں ثابت نہیں۔ گو بعض علماء نے ان کی بیٹیوں کو بھی مسلمانوں کی بہنیں لکھا ہے جیسے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر میں نسا فرمایا ہے لیکن یہ عبارت کا اطلاق ہے نہ کہ حکم کا اثبات۔ حضرت معاویہؓ وغیرہ کو جو کسی نہ کسی ام المومنین کے بھائی تھے انہیں ماموں کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ نے تو کہا ہے کہ کہہ سکتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ حضورؐ کو ابو المومنین بھی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ خیال رہے کہ ابو المومنین کہنے میں مسلمان عورتیں بھی آجائیں گی۔ جمع ذکر سالم میں باعتبار تغلیب کے مونث بھی شامل ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ نہیں کہہ سکتے۔ امام شافعیؒ کے دو قولوں میں بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی قراءت میں اُمَّہَاتُہُمْ کے بعد یہ لفظ ہیں وَہُوَ اَبٌ لَّہُمْ یعنی آپ ان کے والد ہیں۔ مذہب شافعیؒ میں بھی ایک قول یہی ہے اور کچھ تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا میں تمہارے لئے قائم مقام باپ کے ہوں۔ میں تمہیں تعلیم دے رہا ہوں۔ سنو تم میں سے جب کوئی پاخانے میں جائے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے نہ اپنے داہنے ہاتھ سے ڈھیلے لئے نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرے۔ آپ تین ڈھیلے لینے کا حکم دیتے تھے اور گو براور ہڈی سے استنجا کرنے کی ممانعت فرماتے تھے (نسائی وغیرہ)

دوسرا قول یہ ہے کہ حضورؐ کو باپ نہ کہا جائے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبًا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ حضورؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بہ نسبت عام مومنوں مہاجرین اور انصار کے ورثے کے زیادہ مستحق قرابتدار ہیں۔ اس سے پہلے رسول کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں جو بھائی چارہ کرایا تھا اسی کے اعتبار سے یہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اور قسمیں کھا کر ایک دوسروں کے جو حلیف بنے ہوئے تھے وہ بھی آپس میں ورثہ بانٹ لیا کرتے تھے۔ اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا۔ پہلے اگر انصاری مر گیا تو اس کے وارث اس کی قربت کے لوگ نہیں ہوتے تھے بلکہ مہاجر ہوتے تھے جن کے درمیان اللہ کے نبی ﷺ نے بھائی چارہ کر دیا تھا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ حکم خاص ہم انصار و مہاجرین کے بارے میں اترا ہے۔ ہم جب مکہ

چھوڑ کر مدینے آئے تو ہمارے پاس مال کچھ نہ تھا۔ یہاں آ کر ہم نے انصاریوں سے بھائی چارہ کیا، یہ بہترین بھائی ثابت ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے مال کے وارث بھی ہوتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کا بھائی چارہ حضرت خابجہ بن زیدؓ کے ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ کا فلاں کے ساتھ۔ حضرت عثمانؓ کا ایک زر قیغض کے ساتھ۔ خود میرا حضرت کعب بن مالکؓ کے ساتھ۔ یہ زنجی ہوئے اور زخم بھی کاری تھے۔ اگر اس وقت ان کا انتقال ہو جاتا تو میں بھی ان کا وارث بنتا۔ پھر یہ آیت اتری اور میراث کا عام حکم ہمارے لئے بھی ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے ورثہ تو ان کا نہیں لیکن ویسے اگر تم اپنے ان مخلص احباب کے ساتھ سلوک کرنا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔ وصیت کے طور پر کچھ دے دیا جاسکتا ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ کا یہ حکم پہلے ہی سے اس کتاب میں لکھا ہوا تھا جس میں کوئی ترمیم و تبدیلی نہیں ہوئی۔ بیچ میں جو بھائی چارے پرورش جاتا تھا، یہ صرف ایک خاص مصلحت کی بنا پر خاص وقت تک کے لئے تھا، اب یہ ہٹا دیا گیا اور اصلی حکم دے دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ
وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٧﴾
لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صَدَقَتِهِمْ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٨﴾

جبکہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا بالخصوص تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور عہد بھی ہم نے ان سے لیا اور پختہ لیا ○

تاکہ آخر کار اللہ چھو سے ان کی سچائی دریافت فرمائے نہ ماننے والوں کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں ○

مِثَاقُ الْاَنْبِيَاءِ: ☆☆ (آیت: ۷-۸) فرمان ہے کہ ان پانچوں اولوالعزم پیغمبروں سے اور عام نبیوں سے سب سے ہم نے عہد وعدہ لیا کہ وہ میرے دین کی تبلیغ کریں گے۔ اس پر قائم رہیں گے۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد امداد اور تائید کریں گے اور اتفاق و اتحاد رکھیں گے۔ اسی عہد کا ذکر اس آیت میں ہے وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِثَاقَ النَّبِيِّۦنَ لَمَّا اَتَيْنٰکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَةٍ اِنّٰی عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی نے نبیوں سے قول قرار لیا کہ جو کچھ کتاب و حکمت دے کر میں تمہیں بھیجوں پھر تمہارے ساتھ کی چیز کی تصدیق کرنے والا رسول آ جائے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی امداد کرنا۔ بولو تمہیں اس کا اقرار ہے؟ اور میرے سامنے اس کا پختہ وعدہ کرتے ہو؟ سب نے جواب دیا کہ ہاں ہمیں اقرار ہے۔ جناب باری نے فرمایا، بس اب گواہ رہنا اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ یہاں عام نبیوں کا ذکر کر کے پھر خاص جلیل القدر پیغمبروں کا نام بھی لے دیا۔ اسی طرح ان کے نام اس آیت میں بھی ہیں شَرَعَ لَّکُم مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَّصٰی بِہٖ نُوْحًا اِنّٰی جَعَلْتُ لَکُمْ اٰیٰتٍ لِّتَذٰکُرُوْا یہاں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے جو زمین پر اللہ کے پہلے پیغمبر تھے۔ حضرت محمد ﷺ کا ذکر ہے جو سب سے آخری پیغمبر تھے۔ اور ابراہیمؑ موسیٰ اور عیسیٰ کا ذکر ہے جو درمیانی پیغمبر تھے۔ ایک لطافت اس میں یہ ہے کہ پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ کے بعد کے پیغمبر حضرت نوحؑ کا ذکر کیا اور آخری پیغمبر محمدؐ سے پہلے کے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیا اور درمیانی پیغمبروں میں سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا۔ یہاں تو ترتیب یہ رکھی کہ فاتح اور خاتم کا ذکر کر کے بیچ کے نبیوں کا بیان کیا اور اس آیت میں سب سے پہلے خاتم الانبیاءؑ کا نام لیا۔ اس لئے کہ سب سے اشرف و افضل آپ ہی ہیں۔ پھر یکے بعد دیگرے جس طرح آئے ہیں اسی طرح ترتیب وار بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام نبیوں پر اپنا درود و سلام نازل فرمائے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ پیدائش کے اعتبار سے میں سب نبیوں سے پہلے ہوں اور دنیا میں آنے کے اعتبار سے سب سے آخر ہوں۔ پس مجھ سے ابتدا کی ہے۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے لیکن اس کے ایک راوی سعید بن بشیر ضعیف ہیں۔ اور سند سے

یہ مرسل مروی ہے اور یہی زیادہ مشابہت رکھتی ہے اور بعض نے اسے موقوف روایت کیا ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ پانچ پیغمبر ہیں۔ نوح، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰ اور محمد صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور ان میں بھی سب سے بہتر محمد ﷺ ہیں۔ اس کا ایک راوی حمزہ ضعیف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں جس عہد و میثاق کا ذکر ہے یہ وہ ہے جو روز ازل میں حضرت آدمؑ کی پیٹھ سے تمام انسانوں کو نکال کر لیا تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ کو بلند کیا گیا۔ آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا۔ ان میں مالدار، مفلس خوبصورت اور ہر طرح کے لوگ دیکھے تو کہا کہ اللہ کیا اچھا ہوتا کہ تو نے ان سب کو برابر ہی رکھا ہوتا اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا کہ یہ اس لئے ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ ان میں جو انبیاء کرام علیہم السلام تھے انہیں بھی آپ نے دیکھا۔ وہ روشنی کی مانند نمایاں تھے ان پر نور برس رہا تھا ان سے نبوت و رسالت کا ایک اور خاص عہد لیا گیا تھا جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ صادقوں سے ان کے صدق کا سوال ہو یعنی ان سے جو احادیث رسولؐ پہنچانے والے تھے۔ ان کی امتوں میں سے جو بھی ان کو نہ مانے اسے سخت عذاب ہوگا۔ اے اللہ تو گواہ رہ ہماری گواہی ہے ہم دل سے مانتے ہیں کہ بیشک تیرے رسولوں نے تیرا پیغام تیرے بندوں کو بلا کم و کاست پہنچا دیا۔ انہوں نے پوری خیر خواہی کی اور حق کو صاف طور پر نمایاں طریقے سے واضح کر دیا جس میں کوئی پوشیدگی، کوئی شبہ، کسی طرح کا شک نہ رہا گو بد نصیب، ضدی، جھگڑالو لوگوں نے انہیں نہ مانا۔ ہمارا ایمان ہے کہ برے رسولوں کی تمام باتیں سچ اور حق ہیں اور جس نے ان کی راہ نہ پکڑی وہ گمراہ اور باطل پر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ
فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرًا ۖ إِذْ جَاءَتْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ
زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ
الظُّنُونَ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا اسے یاد کرو جبکہ تمہارے مقابلے کو فوجیں کی فوجیں آئیں۔ پھر ہم نے ان پر تیز و تند آندھی اور وہ لشکر بھیجے جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب کو دیکھتا ہے ○ جبکہ دشمن تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے آگئے اور جبکہ آنکھیں پتھر اگئیں اور کیلجے منہ کو آگئے اور تم اللہ کی نسبت مختلف گمان کرنے لگے ○

غزوہ خندق اور مسلمانوں کی خستہ حالی: ☆ ☆ (آیت: ۹-۱۰) جنگ خندق میں جو سنہ ۵ ہجری ماہ شوال میں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جو اپنا فضل و احسان کیا تھا اس کا بیان ہو رہا ہے جبکہ مشرکین نے پوری طاقت سے اور پورے اتحاد سے مسلمانوں کو مٹا دینے کے ارادے سے زبردست لشکر لے کر حملہ کیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں جنگ خندق سنہ ۴ ہجری میں ہوئی تھی۔ اس لڑائی کا قصہ یہ ہے کہ بنو نضیر کے یہودی سرداروں نے جن میں سلام بن ابوحقیق، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع وغیرہ تھے، کے میں آ کر قریشیوں کو جواول ہی سے تیار تھے حضورؐ سے لڑائی کرنے پر آمادہ کیا اور ان سے وعدہ کیا کہ ہم اپنے زیر اثر لوگوں کے ساتھ آپ کی جماعت میں شامل ہیں۔ انہیں آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے۔ ان سے بھی ساز باز کر کے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ قریشیوں نے بھی ادھر ادھر پھر کہ تمام عرب میں آگ لگا کر

سب گرے پڑے لوگوں کو بھی ساتھ ملا لیا۔ ان سب کا سردار ابوسفیان مضر بن حرب بنا اور غطفان کا سردار عیینہ بن حصن بن بدر مقرر ہوا۔ ان لوگوں نے کوشش کر کے دس ہزار لشکر اکٹھا کر لیا اور مدینے کا طرف چڑھ دوڑے۔ حضورؐ کو جب اس لشکر کشی کی خبریں پہنچیں تو آپؐ نے بہ مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینے شریف کی مشرقی سمت میں خندق یعنی کھائی کھدوائی۔ اس خندق کے کھودنے میں تمام صحابہ مجاہدین و انصار شامل تھے اور خود آپؐ بھی بہ نفس نفیس اس کے کھودنے اور مٹی ڈھونے میں بھی حصہ لیتے تھے۔ مشرکین کا لشکر بلا مزاحمت مدینے شریف تک پہنچ گیا اور مدینے کے مشرقی حصے میں احد پہاڑ کے متصل اپنا پڑاؤ جمایا۔

یہ تھا مدینے کا نیچا حصہ، اوپر کے حصے میں انہوں نے اپنی ایک بڑی بھاری جمعیت بھیج دی۔ جس نے اعلیٰ مدینہ میں لشکر کا پڑاؤ ڈالا اور نیچے اوپر سے مسلمانوں کو محصور کر لیا۔ حضورؐ اپنے ساتھ کے صحابہؓ جو تین ہزار سے نیچے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ صرف سات سو تھے، لے کر ان کے مقابلہ پر آئے۔ سلع پہاڑی کو آپؐ نے اپنی پشت پر کیا اور دشمنوں کی طرف متوجہ ہو کر فوج کو ترتیب دیا۔ خندق جو آپؐ نے کھودی اور کھدوائی تھی، اس میں پانی وغیرہ نہ تھا۔ وہ صرف ایک گڑھا تھا جو مشرکین کے ریلے کو بے روک آنے نہیں دیتا تھا۔ آپؐ نے بچوں اور عورتوں کو مدینے کے ایک محلے میں کر دیا تھا۔ یہودیوں کی ایک جماعت بنو قریظہ مدینے میں تھی، مشرقی جانب ان کا محلہ تھا۔ نبی ﷺ سے ان کا معاہدہ صلح مضبوط تھا۔ ان کا بھی بڑا گروہ تھا۔ تقریباً آٹھ سو جنگجو لڑنے کے قابل مردان میں موجود تھے، مشرکین اور یہود نے ان کے پاس حمی بن اخطب نصری کو بھیجا۔ اس نے انہیں بھی شیشے میں اتار کر سبز باغ دکھا کر اپنی طرف کر لیا اور انہوں نے بھی ٹھیک موقع پر مسلمانوں کے ساتھ بد عہدی کی۔ اور علانیہ طور پر صلح توڑ دی۔ باہر سے دس ہزار کا وہ لشکر جو گھیرا ڈالے پڑا ہے اندر سے ان یہودیوں کی بغاوت جو غلی پھوڑے کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسلمان تین دانتوں میں زبان یا آنے میں ٹمک کی طرح ہو گئے۔ یہ کھل سات سو آدمی کر ہی کیا سکتے تھے۔ یہ وقت تھا جس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کہ آنکھیں پتھر انگلیں دل الٹ گئے، طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ جھنجھوڑ دیئے گئے اور سخت امتحان میں مبتلا ہو گئے۔ مہینہ بھر تک محاصرہ کی یہی تلخ صورت قائم رہی۔ گو مشرکین کی یہ جرات تو نہیں ہوئی کہ خندق سے پار ہو کر دینی لڑائی لڑتے لیکن ہاں گھیرا ڈالے پڑے رہے اور مسلمانوں کو تنگ کر دیا۔ البتہ عمرو بن عبدود عامری جو عرب کا مشہور شجاع پہلوان اور فن سپہ سالاری میں یکتا تھا، ساتھ ہی بہادر جی دار اور قوی تھا، ایک مرتبہ ہمت کر کے اپنے ساتھ چند جاں باز پہلوانوں کو لے کر خندق سے اپنے گھوڑوں کو گزارا لیا۔ یہ حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سواروں کی طرف اشارہ کیا لیکن کہا جاتا ہے کہ انہیں تیار نہ پا کر آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ تم اس کے مقابلے پر جاؤ۔ آپؐ گئے۔ تھوڑی دیر تک تو دونوں بہادروں میں تلوار چلتی رہی لیکن بلا آخر حضرت علیؓ نے کفر کے اس دیوکوتہ فتح کیا جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ فتح ہماری ہے۔ پھر پروردگار نے وہ تندہ تیز آدمی بھیجی کہ مشرکین کے تمام خیمے اکھڑ گئے، کوئی چیز فرینے سے نہ رہی، آگ کا جلانا مشکل ہو گیا۔ کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی۔

بالآخر تنگ آ کر نامرادی سے واپس ہوئے۔ جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ جس ہوا کا آیت میں ذکر ہے، بقول مجاہدؒ یہ صبا ہے اور اس کی تائید حضورؐ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ میں صبا ہوا سے مدد دیا گیا ہوں اور قوم عاد کے لوگ اور سد و تیز ہواؤں سے ہلاک کئے گئے تھے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں، جنوبی ہوائے شمالی ہوا سے اس جنگ احزاب میں کہا کہ چل، ہم تم جا کر رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں تو شمالی ہوا نے کہا کہ گرمی رات کو نہیں چلا کرتی۔ پھر ان پر صبا ہوا بھیجی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خندق والی رات سخت جاڑے اور تیز ہوا میں مدینہ شریف بھیجا کہ کھانا اور لحاف لے آؤں۔ میں نے حضورؐ سے اجازت چاہی تو آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے جو صحابی تمہیں ملیں، انہیں کہنا کہ میرے پاس چلے

آئیں۔ اب میں چلا ہوا نکس زنائے کی شائیں شائیں چل رہی تھیں۔ مجھے جو مسلمان ملا میں نے اسے حضور کا پیغام پہنچا دیا اور جس نے سنا اٹنے پاؤں فوراً حضور کی طرف چل دیا یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ہوامیری ڈھال کو دھکے دے رہی تھی اور وہ مجھے لگ رہی تھی یہاں تک کہ اس کا لوہا میرے پاؤں پر گر پڑا جسے میں نے نیچے پھینک دیا۔ اس ہوا کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھی نازل فرمائے تھے جنہوں نے مشرکین کے دل اور سینے خوف اور رعب سے بھر دیے۔ یہاں تک کہ جتنے سرداران لشکر تھے اپنے ماتحت سپاہیوں کو اپنے پاس بلا بلا کر کہنے لگے نجات کی صورت تلاش کرو۔ بچاؤ کا انتظام کرو۔ یہ تھا فرشتوں کا ڈالا ہوا ڈر اور رعب اور یہی وہ لشکر ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس لشکر کو تم نے نہیں دیکھا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک نوجوان شخص نے جو کوفے کے رہنے والے تھے کہا کہ اے ابو عبد اللہ! تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم نے اللہ کے رسول کو دیکھا اور آپ کی مجلس میں بیٹھے۔ بتاؤ تو تم کیا کرتے تھے؟ حضرت حذیفہ نے فرمایا واللہ ہم جان نثاریاں کرتے تھے۔ نوجوان فرمانے لگے۔ سنئے چچا اگر ہم حضور کے زمانے کو پاتے تو واللہ آپ کو قدم بھی زمین پر نہ رکھنے دیتے اپنی گردنوں پر اٹھا کر لے جاتے۔ آپ نے فرمایا بھتیجے لو ایک واقعہ سنو جنگ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ بڑی رات تک نماز پڑھتے رہے۔ فارغ ہو کر دریافت فرمایا کہ کوئی ہے جو جا کر لشکر کفار کی خبر لائے؟ اللہ کے نبی اس سے شرط کرتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کوئی کھڑا نہ ہوا کیونکہ خوف کی بھوک کی اور سردی کی انتہا تھی۔ پھر آپ دیر تک نماز پڑھتے رہے۔

پھر فرمایا ہے کوئی جو جا کر یہ خبر لا دے کہ مخالفین نے کیا کیا؟ اللہ کے رسول اے مطمئن کرتے ہیں کہ وہ ضرور واپس آئے گا اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں میرا رفیق کرے۔ اب تک بھی کوئی کھڑا نہ ہوا اور کھڑا ہوتا کیسے؟ بھوک کے مارے پیٹ کمر سے لگ رہا تھا سردی کے مارے دانت سے دانت بج رہا تھا خوف کے مارے پتے پانی ہو رہے تھے۔ بلا خرمیرا نام لے کر سرور رسول نے آواز دی اب تو کھڑے ہوئے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ فرمانے لگے حذیفہ تو جا اور دیکھ کہ وہ اس وقت کیا کر رہے ہیں دیکھ جب تک میرے پاس واپس نہ پہنچ جائے کوئی نیا کام نہ کرنا میں نے بہت خوب کہہ کر اپنی راہ لی اور جرأت کے ساتھ مشرکوں میں گھس گیا۔ وہاں جا کر عجیب حال دیکھا کہ دکھائی نہ دینے والے اللہ کے لشکر اپنا کام پھرتی سے کر رہے ہیں۔ چوہوں پر سے دیکیں ہوانے الٹ دی ہیں خیموں کی چوبیس اکھڑ گئی ہیں آگ جلا نہیں سکتے۔ کوئی چیز اپنی ٹھکانے نہیں رہی۔ اسی وقت ابوسفیان کھڑا ہوا اور با آواز بلند منادی کی کہ اے قریشیو! اپنے اپنے ساتھی سے ہوشیار ہو جاؤ۔ اپنے ساتھ کو دیکھ بھال لو! یا نہ ہو کوئی غیر کھڑا ہو۔ میں نے یہ سنتے ہی میرے پاس جو ایک قریشی جوان تھا اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں نے کہا اب ہوشیار رہنا۔

پھر ابوسفیان نے کہا قریشیو! اللہ گواہ ہے ہم اس وقت کسی ٹھہرنے کی جگہ پر نہیں ہیں۔ ہمارے مولیٰ ہمارے اونٹ ہلاک ہو رہے ہیں۔ بنو قریظہ نے ہم سے وعدہ خلائی کی اس نے ہمیں بڑی تکلیف پہنچائی پھر اس ہوانے تو ہمیں پریشان کر رکھا ہے ہم پکا کھا نہیں سکتے آگ تک جلا نہیں سکتے خیمے ڈیرے ٹھہر نہیں سکتے۔ میں تو تنگ آ گیا ہوں اور میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ واپس ہو جاؤں۔ پس میں تم سب کو حکم دیتا ہوں کہ واپس چلو۔ اتنا کہتے ہی اپنے اونٹ پر جوڑا نو بندھا ہوا بیٹھا تھا چڑھ گیا اور اسے مارا۔ وہ تین پاؤں سے ہی کھڑا ہو گیا پھر اس کا پاؤں کھولا۔ اس وقت ایسا اچھا موقعہ تھا کہ اگر میں چاہتا ایک تیر میں ہی ابوسفیان کا کام تمام کر دیتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرما دیا تھا کہ کوئی نیا کام نہ کرنا۔ اس لئے میں نے اپنے دل کو روک لیا۔ اب میں واپس لوٹا اور اپنے لشکر میں آ گیا۔ جب میں پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ ایک چادر کو لپیٹے ہوئے جو آپ کی کسی بیوی صاحبہ کی تھی نماز میں مشغول ہیں۔ آپ نے مجھے دیکھ کر اپنے دونوں پیروں کے درمیان بٹھا لیا اور چادر مجھے بھی اڑھا دی۔ پھر رکوع و سجدہ کیا اور میں وہی چادر اوڑھے بیٹھا رہا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے

سار واقعہ بیان کیا۔ قریشیوں کے واپس لوٹ جانے کی خبر جب قبیلہ غطفان کو پہنچی تو انہوں نے بھی سامان باندھا اور واپس لوٹ گئے۔ اور روایت میں ہے، حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں، جب میں چلا تو باوجود کڑا کے سخت سردی کے، قسم اللہ کی مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کسی گرم حمام میں ہوں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں لشکر کفار میں پہنچا ہوں، اس وقت ابوسفیان آگ سلگائے ہوئے تاپ رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر پہچان کر اپنا تیر کمان میں چڑھا لیا اور چاہتا ہی تھا کہ چلا دوں اور وہ بالکل زد میں تھا، ناممکن تھا کہ میرا نشانہ خالی جائے لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ وہ چوکنے ہو کر بھڑک جائیں تو میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ جب میں واپس آیا، اس وقت بھی مجھے کوئی سردی محسوس نہ ہوئی بلکہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا میں حمام میں چل رہا ہوں۔ ہاں جب حضورؐ کے پاس پہنچ گیا، بڑے زور کی سردی لگنے لگی اور میں کپکپانے لگا تو حضورؐ نے اپنی چادر مجھ کو اوڑھادی۔ میں جو اوڑھ کر لیٹا تو مجھے نیند آ گئی اور صبح تک پڑا سوتا رہا، صبح خود حضورؐ نے مجھے یہ کہہ کر جگایا کہ اے سونے والے بیدار ہو جا۔ اور روایت میں ہے کہ جب اس تابلی نے کہا کہ کاش کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے اور آپ کے زمانے کو پاتے تو حذیفہؓ نے کہا کاش کہ تم جیسا ایمان ہمیں نصیب ہوتا کہ باوجود نہ دیکھنے کے پورا اور پختہ عقیدہ رکھتے ہو۔ برادر زادے جو تمنا تم کرتے ہو، تمنا ہی ہے نہ جانے تم ہوتے تو کیا کرتے؟ ہم پر تو ایسے کٹھن وقت آئے ہیں، یہ کہہ کر پھر آپ نے مندرجہ بالا خندق کی رات کا واقعہ بیان کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ہوا بھڑی اور آندھی کے ساتھ بارش بھی تھی۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ حضورؐ کے ساتھ کے واقعات کو بیان فرما رہے تھے جو اہل مجلس نے کہا اگر ہم اس وقت موجود ہوتے تو یوں اور یوں کرتے۔ اس پر آپ نے یہ بیان فرمادیا کہ باہر سے تو دس ہزار کا لشکر گھیرے ہوئے ہے، اندر سے بنو قریظہ کے آٹھ سو یہودی گبڑے ہوئے ہیں، بال بچے اور عورتیں مدینے میں ہیں، خطرہ لگا ہوا ہے اگر بنو قریظہ نے اس طرف کا رخ کیا تو ایک ساعت میں ہی عورتوں بچوں کا فیصلہ کر دیں گے۔ واللہ اس رات جیسی خوف و ہراس کی حالت کبھی ہم پر نہیں گزری۔ پھر وہ ہوائیں چلتی ہیں آندھیاں اٹھتی ہیں، اندھیرا چھا جاتا ہے، کڑک گرج اور بجلی ہوتی ہے کہ العظمۃ للہ۔ ساتھی کو دیکھنا تو کہاں اپنی انگلیاں بھی نظر نہ آتی تھیں۔ جو منافق ہمارے ساتھ تھے وہ ایک ایک ہو کر یہ بہانہ بنا کر کہ ہمارے بال بچے اور عورتیں وہاں ہیں اور گھر کا منگھبان کوئی نہیں۔ حضورؐ سے آ کر اجازت چاہنے لگے اور آپؐ نے بھی کسی ایک کو نہ روکا۔ جس نے کہا کہ میں جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا شوق سے جاؤ۔ وہ ایک ایک ہو کر سر کٹنے لگے اور ہم صرف تین سو کے قریب رہ گئے۔ حضور ﷺ اب تشریف لائے ایک ایک کو دیکھا۔ میری عجیب حالت تھی۔ نہ میرے پاس دشمن سے بچنے کے لئے کوئی آلہ تھا نہ سردی سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی کپڑا تھا۔ صرف میری بیوی کی ایک چھوٹی سی چادر تھی جو میرے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی۔ جب حضورؐ میرے پاس پہنچے، اس وقت میں اپنے گھٹنوں میں سر ڈالے ہوئے دبک کر بیٹھا ہوا کپکپا رہا تھا۔ آپؐ نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ میں نے کہا حذیفہ۔ فرمایا حذیفہؓ! واللہ مجھ پر تو زمین تنگ آ گئی کہ کہیں حضورؐ مجھے کھڑا نہ کریں۔ میری تو درگت ہو رہی ہے لیکن کرتا کیا، حضورؐ کا فرمان تھا۔ میں نے کہا۔ حضورؐ گن رہا ہوں ارشاد؟ آپؐ نے فرمایا دشمنوں میں ایک نئی بات ہونے والی ہے۔ جاؤ ان کی خبر لاؤ۔

واللہ اس وقت مجھ سے زیادہ نہ تو کسی کو خوف تھا نہ گھبراہٹ تھی نہ سردی تھی لیکن حضورؐ کا حکم سنتے ہی کھڑا ہو گیا اور چلنے لگا تو میں نے سنا کہ آپؐ میرے لئے دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ اس کے آگے سے پیچھے سے، دائیں سے بائیں سے، اوپر سے نیچے سے اس کی حفاظت کر۔ حضورؐ کی اس دعا کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ کسی قسم کا خوف، ڈر، ہشت میرے دل میں تھی ہی نہیں۔ پھر حضورؐ نے مجھے آواز دے کر فرمایا، دیکھو حذیفہؓ وہاں جا کر میرے پاس واپس آنے تک کوئی نئی بات نہ کرنا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ میں ابوسفیان کو اس سے پہلے پہچانتا نہ تھا۔ میں گیا تو وہاں یہی آوازیں لگ رہی تھیں کہ چلو کوچ کرو، واپس چلو۔ ایک عجیب بات میں نے یہ بھی دیکھی کہ وہ خطرناک ہوا جو دیکھیں

الٹ دیتی تھی وہ صرف ان کے لشکر کے احاطہ تک ہی تھی۔ واللہ اس سے ایک بالشت بھر باہر نہ تھی۔ میں نے دیکھا کہ آڑاڑ کران پر گرتے تھے۔ جب میں واپس چلا ہوں تو میں نے دیکھا کہ تقریباً بیس سوار ہیں جو عمامے باندھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کو خبر کر دو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفایت کردی اور آپ کے دشمنوں کو مات دی۔ اس میں یہ بھی بیان ہے کہ حضور کی عادت میں داخل تھا کہ جب کبھی کوئی گھبراہٹ اور دقت کا وقت ہوتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔ جب میں نے حضور کو خبر پہنچائی اسی وقت یہ آیت اتری۔ پس آیت میں نیچے کی طرف سے آنے والوں سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ شدت خوف اور سخت گھبراہٹ سے آنکھیں الٹ گئی تھیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے تھے اور طرح طرح کے گمان ہو رہے تھے یہاں تک کہ بعض منافقوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب کی لڑائی میں کافر غالب آ جائیں گے۔ عام منافقوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے؟ معتب بن قیس کہنے لگا کہ آنحضرتؐ تو ہمیں کہہ رہے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک بنیں گے اور یہاں حالت یہ ہے کہ پاخانے کو جانا بھی دہر ہو رہا ہے۔ یہ مختلف گمان مختلف لوگوں کے تھے۔ مسلمان تو یقین کرتے تھے کہ غلبہ ہمارا ہی ہے جیسا کہ فرمان ہے وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْإِنِّ لَكِن مِّنَ الْمُتَّقِينَ کہتے تھے کہ اب کی مرتبہ سارے مسلمان مع آنحضرتؐ کا جر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے جائیں گے۔ صحابہؓ نے عین اس گھبراہٹ اور پریشانی کے وقت رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضور اس وقت ہمیں اس سے بچاؤ کی کوئی دعا تلقین کریں۔ آپؐ نے فرمایا یہ دعا مانگو اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَامِنْ رُّوْعَاتِنَا اللّٰهُمَّ اِنَّا بِرَدِّهِ بِرَدِّهِ ہمارے خوف ڈر کو امن و امان سے بدل دے۔ ادھر مسلمانوں کی یہ دعائیں بلند ہوئیں ادھر اللہ کا لشکر ہواؤں کی شکل میں آیا اور کافروں کا تیا پانچا کر دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہ۔

هٰذَا لِكِ اٰتِي الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زَلٰلًا شَدِيْدًا ۝ وَاِذْ يَقُوْلُ
الْمُفٰفِقُونَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَاِذْ قَالَتْ طٰاِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ
لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَيَسْتٰاِذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّا بُيُوْتُنَا
عَوْرَةٌ ۝ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۝ اِنْ يُرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝

یہیں مومنوں کا احسان کر لیا گیا اور پوری طرح وہ چھوڑ دیئے گئے ○ اس وقت منافق اور کمزور دل والے کہنے لگے اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے محض دھوکے فریب کے ہی وعدے کئے تھے ○ ان ہی کی ایک جماعت نے ہانک لگائی کہ اے مدینے والو تمہارے ٹھہرنے کا یہ موقعہ نہیں۔ چلو لوٹ چلو ان کی ایک اور جماعت یہ کہہ کر رہی سے اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر خالی اور غیر محفوظ ہیں دراصل وہ کھلے ہوئے اور غیر محفوظ نہ تھے لیکن ان کا تو پتہ ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا ہو چکا تھا ○

منافقوں کا فرار: ☆☆ (آیت ۱۱-۱۳) اس گھبراہٹ اور پریشانی کا حال بیان ہو رہا ہے جو جنگ احزاب کے موقع پر مسلمانوں کی تھی کہ باہر سے دشمن اپنی پوری قوت اور کافی لشکر سے گھیرا ڈالے کھڑا ہے۔ اندرون شہر میں بغادت کی آگ بھڑکی ہوئی ہے یہودیوں نے دفعتاً صلح توڑ کر بے چینی پیدا کر دی ہے۔ مسلمان کھانے پینے تک سے تنگ ہو گئے ہیں۔ منافق کھلم کھلا الگ ہو گئے ہیں۔ ضعیف دل لوگ طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ بس اللہ کے اور رسولؐ کے وعدے دیکھ لئے۔ کچھ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے کان میں صور

پھونک رہے ہیں کہ میاں پاگل ہوئے ہو؟ دیکھ نہیں رہے۔ دو گھڑی میں نقشہ پلٹنے والا ہے۔ بھاگ چلو۔ لوٹو لوٹو۔ واپس چلو۔ یثرب سے مراد مدینہ ہے۔ جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے۔ جو دو سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے۔ پہلے تو میرا خیال ہوا تھا کہ یہ ہجر ہے لیکن نہیں وہ جگہ یثرب ہے۔

اور روایت میں ہے کہ وہ جگہ مدینہ ہے۔ البتہ یہ خیال ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں ہے جو مدینے کو یثرب کہے وہ استغفار کر لے۔ مدینہ تو طابہ ہے۔ وہ طابہ ہے۔ یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے۔ کہا گیا ہے کہ عمالِیق میں سے جو شخص یہاں آ کر ٹھہرا تھا چونکہ اس کا نام یثرب بن عبید بن مہلایل بن عوص بن عملق بن لاد بن آدم بن سام بن نوح تھا اس لئے اس شہر کو بھی اسی کے نام سے مشہور کیا گیا۔ یہ بھی قول ہے کہ تورات شریف میں اس کے گیارہ نام آئے ہیں۔ مدینہ طابہ طیبہ جلیلہ جابرہ محبہ محبوبہ قاصمہ مجبورہ عذر اذ مرحومہ۔ کعب احبار قراتے ہیں کہ ہم تورات میں یہ عبارت پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف سے فرمایا اے طیبہ ادرائے طابہ ادرائے مسکینہ خزانوں میں بتلانا نہ ہو۔ تمام بستیوں پر تیرا درجہ بلند ہوگا۔ کچھ لوگ تو اس موقعہ خندق پر کہنے لگے یہاں حضور کے پاس ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ اپنے گھروں کو لوٹ چلو۔ بنو حارثہ کہنے لگے یا رسول اللہ ہمارے گھروں میں چوری ہونے کا خطرہ ہے۔ وہ خالی ہیں۔ ہمیں واپس جانے کی اجازت ملنی چاہیے۔ اوس بن قبیص نے بھی یہی کہا تھا کہ ہمارے گھروں میں دشمن کے گھس جانے کا اندیشہ ہے۔ ہمیں جانے کی اجازت دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی بات بتلا دی کہ یہ تو ڈھونگ رچایا ہے حقیقت میں عذر کچھ بھی نہیں نامردی سے بھگوز اپن دکھاتے ہیں۔ لڑائی سے جی چرا کر سر کرنا چاہتے ہیں۔

وَلَوْ دَخَلْتَ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سَلِوْا الْفِتْنَةَ لَا تَوْهَا وَمَا
تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُولُوكَ
الْأَذْبَارُ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۝ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ
إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا لَا تُمْتَعُونَ إِلَّا
قَلِيلًا ۝ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ
بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ
دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝

اگر مدینے کے چاروں طرف سے ان پر لشکر داخل کئے جائیں پھر ان سے فتنہ طلب کیا جائے تو یہ ضرور ہر پا کر دیں گے اور کچھ ڈھیل بھی کریں گے تو یونہی سی ۱۰ اس سے پہلے تو انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔ اللہ سے کہے ہوئے عہد کی باز پرس ضرور ہے ۱۱ کہہ دے کہ گوتم موت سے یا خوف قتل سے بھاگ تو یہ بھاگنا تمہیں کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ مند کئے جاؤ گے ۱۲ چھو تو کہ اگر اللہ تمہیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہیں بچائے یا تم سے روک سکے ۱۳ اپنے لئے بجز اللہ کے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار ۱۴

جہاد سے پیٹھ پھیرنے والوں سے باز پرس ہوگی: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۷) جو لوگ یہ عذر کر کے جہاد سے بھاگ رہے تھے کہ

ہمارے گھرا کیلے پڑے ہیں جن کا بیان اوپر گزرا ان کی نسبت جناب باری فرماتا ہے کہ اگر ان پر دشمن مدینے کے چوطرف سے اور ہر ہرنخ سے آجائے پھر ان سے کفر میں داخل ہونے کا سوال کیا جائے تو یہ بے تامل کفر کو قبول کر لیں گے۔ لیکن تھوڑے خوف اور خیالی دہشت کی بنا پر ایمان سے دست برداری کر رہے ہیں۔ یہ ان کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

پھر فرماتا ہے یہی تو ہیں جو اس سے پہلے لمبی لمبی ڈینگیں مارتے تھے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے ہم میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنے والے نہیں۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ یہ جو وعدے انہوں نے اللہ سے کئے تھے اللہ تعالیٰ ان کی باز پرس کرے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ موت و فوت سے بھاگنا لڑائی سے منہ چھپانا میدان میں پیٹھ دکھانا جان نہیں بچا سکتا بلکہ بہت ممکن ہے کہ اللہ کی اچانک پکڑ کے جلد آجائے کا باعث ہو جائے اور دنیا کا تھوڑا سا نفع بھی حاصل نہ ہو سکے۔ حالانکہ دنیا تو آخرت جیسی چیز کے مقابلے پر کل کی کل حقیر اور محض ناچیز ہے۔ پھر فرمایا کہ بجز اللہ کے کوئی نہ دے سکے نہ دلا سکے نہ مددگاری کر سکے نہ حمایت پر آ سکے۔ اللہ اپنے ارادوں کو پورا کر کے ہی رہتا ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ
إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا ۖ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَإِذَا
جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي
يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ
بِالسِّنَةِ حَدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا ۚ فَأَحْبَطَ اللَّهُ
أَعْمَالَهُمْ ۖ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝۱۹

اللہ تعالیٰ تم میں سے انہیں بخوبی جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ اور کبھی کبھی ہی لڑائی میں آجاتے ہیں ○ تمہاری مدد میں پورے بخیل ہیں پھر جب زبردشت کا موقعہ آجائے تو تو نہیں دیکھے گا کہ تیری طرف نظریں جمادیتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے آنکھوں کی جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز زبانوں سے بڑی باتیں بناتے ہیں مال کے بڑے ہی حریص ہیں۔ یہ ایمان لائے ہی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال نابود کر دیے ہیں اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے ○

جہاد سے منہ موڑنے والے ایمان سے خالی لوگ: ☆☆ (آیت: ۱۸-۱۹) اللہ تعالیٰ اپنے محیط علم سے انہیں خوب جانتا ہے جو دوسروں کو بھی جہاد سے روکتے ہیں۔ اپنے ہم صحبتوں سے یا دوستوں سے کنبہ قبیلہ والوں سے کہتے ہیں کہ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ ہو اپنے گھروں کو اپنے آرام کو اپنی زمین کو اپنے بیوی بچوں کو نہ چھوڑو۔ خود بھی جہاد میں آتے نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کسی وقت منہ دکھا جائیں اور نام لکھا جائیں۔ یہ بڑے بخیل ہیں نہ ان سے تمہیں کوئی مدد پہنچے نہ ان کے دل میں تمہاری ہمدردی نہ مال غنیمت میں تمہارے حصے پر یہ خوش۔ خوف کے وقت تو ان نامردوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں۔ آنکھیں چھا چھ پانی ہو جاتی ہیں مایوسانہ نگاہوں سے تکتے لگتے ہیں۔ لیکن خوف دور ہوا کہ انہوں نے لمبی لمبی زبانیں نکال ڈالیں اور بڑھے چڑھے دعوے کرنے لگے اور شجاعت و مردی کا دم بھرنے لگے۔ اور مال غنیمت پر بے طرح گرنے لگے۔ ہمیں دو ہمیں دو کاغل مچا دیتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھی ہیں۔ ہم نے جنگی خدمات انجام دی ہیں ہمارا حصہ ہے اور جنگ کے وقت صورتیں بھی نہیں دکھاتے بھاگتوں کے آگے اور لڑتوں کے پیچھے رہا کرتے ہیں۔ دونوں عیب

جس میں جمع ہوں اس جیسا بے خیر انسان اور کون ہوگا؟ امن کے وقت عیاری، بدظنی، بدزبانی اور لڑائی کے وقت نامردی، روباہ بازی اور زنانہ پن۔ لڑائی کے وقت حائضہ عورتوں کی طرح الگ اور یکسو اور مال لینے کے وقت گدھوں کی طرح ڈھینچو ڈھینچو۔ اللہ فرماتا ہے بات یہ ہے کہ ان کے دل شروع سے ہی ایمان سے خالی ہیں۔ اس لئے ان کے اعمال بھی اکارت ہیں۔ اللہ پر یہ آسان ہے۔

يَحْسَبُونَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا وَاِنْ يَّاتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنْتُمْ
بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْأَلُوْنَ عَنْ اَنْبِيَائِكُمْ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا
قَتَلُوْا اِلَّا قَلِيْلًا ۗ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسُوَةٌ
حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ
كَثِيْرًا ۗ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَتَسْلِيْمًا ۗ

سمجھتے ہیں کہ اب تک لشکر چلے نہیں گئے اور اگر فوجیں آجائیں تو تنہائیں کرتے ہیں کہ کاش کہ وہ جنگوں میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوتے کہ تمہاری خبریں دریافت کیا کرتے۔ اگر وہ تم میں موجود ہوں تو بھی کیا؟ یونہی چھدا اُتارنے کو ذرا سی لڑائی کر لیں ○ یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ موجود ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی اور قیامت کے آخری دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کی یاد کرتا ہے ○ ایمانداروں نے جب کفار کے لشکر کو دیکھا، بیساختہ کہہ اٹھے کہ انہی کا وعدہ ہمیں اللہ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول سچے ہیں۔ یہ تو اپنے ایمان میں اور شیعوہ فرمانبرداری میں اور بھی بڑھ گئے ○

(آیت: ۲۰) ان کی بزدلی اور ڈر پوک کا یہ عالم ہے کہ اب تک انہیں اس بات کا یقین ہی نہیں ہوا کہ لشکر کفار لوٹ گیا اور خطرہ ہے کہ وہ پھر کہیں آنے پڑے۔ مشرکین کے لشکروں کو دیکھتے ہی چٹکے چھوٹ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کاش کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ اس شہر میں ہی نہ ہوتے بلکہ گنواروں کے ساتھ کسی اجاڑ گاؤں یا کسی دور دراز کے جنگل میں ہوتے، کسی آتے جاتے سے پوچھ لیتے کہ کہو بھی لڑائی کا کیا حشر ہوا؟ اللہ فرماتا ہے یہ اگر تمہارے ساتھ بھی ہوں تو بیکار ہیں۔ ان کے دل مردہ ہیں، نامردی کے گھن نے انہیں کھوکھلا کر رکھا ہے۔ یہ کیا لڑیں گے اور کون سی بہادری دکھائیں گے؟

ٹھوس دلائل اتباع رسولؐ کو لازم قرار دیتے ہیں: ☆ ☆ (آیت: ۲۱-۲۲) یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ آنحضرت ﷺ کے تمام اقوال، افعال، احوال، اقتدا، پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔ جنگ احزاب میں جو صبر و تحمل اور عدیم المثال شجاعت کی مثال حضورؐ نے قائم کی مثلاً راہ الہ کی تیاری، شوق جہاد اور رختی کے وقت بھی رب سے آسانی کی امید اس وقت آپؐ نے دکھائی، یقیناً یہ تمام چیزیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انہیں اپنی زندگی کا جزو و اعظم بنالیں اور اپنے پیارے پیغمبر اللہ کے حبیب، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے لئے بہترین نمونہ بنالیں اور ان اوصاف سے اپنے تئیں بھی موصوف کریں۔ اسی لئے قرآن کریم ان لوگوں کو جو اس وقت شہنشاہ تھے اور گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کرتے تھے فرماتا ہے کہ تم نے میری نبی کی تابعداری کیوں نہ کی؟ میرے رسول تو تم میں موجود تھے ان کا نمونہ تمہارے سامنے تھا، تمہیں صبر و استقلال کی نہ صرف تلقین تھی بلکہ ثابت قدمی، استقلال اور اطمینان کا پہاڑ تمہاری نگاہوں کے سامنے تھا۔ تم جبکہ اللہ پر قیامت پر

اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی تھی۔ آخر حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ آیت ملی یہ وہ صحابی ہیں جن کی اکیلی کی گواہی کو رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے دو گواہوں کے برابر کر دیا تھا۔ وہ آیت **مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ** الخ ہے۔

یہ آیت حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے جس کا انہیں سخت افسوس تھا کہ سب سے پہلی جنگ میں جس میں خود رسول اللہ ﷺ بہ نفس نفیس شریک تھے، میں شامل نہ ہو سکا۔ اب جو جہاد کا موقعہ آئے گا، میں اللہ تعالیٰ کو اپنی سچائی دکھا دوں گا اور یہ بھی کہ میں کیا کرتا ہوں؟ اس سے زیادہ کہتے ہوئے خوف کھایا۔ اب جنگ احد کا موقعہ جب آیا تو انہوں نے دیکھا کہ سامنے سے حضرت سعد بن معاذ واپس آ رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر تعجب سے فرمایا کہ ابو عمر وہ کہاں جا رہے ہو؟ واللہ مجھے احد پہاڑ کے اس طرف سے جنت کی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔ یہ کہتے ہی آپ آگے بڑھے اور مشرکوں میں خوب تلوار چلائی۔ چونکہ مسلمان لوٹ گئے تھے یہ تھا تھے ان کے بے پناہ حملوں نے کفار کے دانت کھٹے کر دیئے اور کفار لڑتے لڑتے ان کی طرف بڑھے اور چاروں طرف سے گھیر لیا اور شہید کر دیا۔ آپ کو اسی (۸۰) سے اوپر اوپر زخم آئے تھے۔ کوئی نیزے کا، کوئی تلوار کا، کوئی تیر کا۔ شہادت کے بعد کوئی آپ کو پہچان نہ سکا یہاں تک کہ آپ کی ہمشیرہ نے آپ کو پہچانا اور وہ بھی ہاتھوں کی انگلیوں کی پوریں دیکھ کر۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہی ایسے تھے جنہوں نے جو کہا تھا، کر دکھایا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور روایت میں ہے کہ جب مسلمان بھاگے تو آپ نے فرمایا اے اللہ! انہوں نے جو کیا، میں اس سے اپنی معذوری ظاہر کرتا ہوں۔ اور مشرکوں نے جو کیا، اس سے میں بیزار ہوں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت سعدؓ نے ان سے فرمایا، میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ساتھ چلے بھی لیکن فرماتے ہیں، جو وہ کر رہے تھے وہ میری طاقت سے باہر تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ابن ابی حاتم میں ہے کہ جنگ احد سے جب رسول اللہ ﷺ واپس مدینے آئے تو منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کی اور مسلمانوں سے ہمدردی ظاہر کی۔ جو جو شہید ہو گئے تھے، ان کے درجوں کی خبر دی۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہ! جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے، وہ کون ہیں؟ اس وقت میں سامنے آ رہا تھا اور حضری سبز رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا، اے پوچھنے والے یہ بھی ان ہی میں سے ہیں۔ ان کے صاحبزادے حضرت موسیٰ بن طلحہؓ حضرت معاویہؓ کے دربار میں گئے۔ جب وہاں سے واپس آنے لگے دروازے سے باہر نکلے ہی تھے جو جناب معاویہؓ نے واپس بلایا اور فرمایا، آؤ مجھ سے ایک حدیث سنتے جاؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تمہارے والد طلحہؓ ان میں سے ہیں جن کا بیان اس آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنا عہد اور نذر پوری کر دی۔

رب العالمین ان کا بیان فرما کر فرماتا ہے کہ بعض اس دن کے منتظر ہیں کہ پھر لڑائی ہو اور وہ اپنی کارگزاری اللہ کو دکھائیں اور جام شہادت نوش فرمائیں۔ پس بعض نے تو سچائی اور وفاداری ثابت کر دی اور بعض موقعہ کے منتظر ہیں۔ انہوں نے نہ عہد بدلا نہ نذر کو پوری نہ کرنے کا کبھی خیال گزرا بلکہ وہ اپنے وعدے پر قائم ہیں۔ وہ منافقوں کی طرح وقت پر بہانے بنانے والے نہیں۔ یہ خوف اور زلزلہ محض اس واسطے تھا کہ غبیث و طیب کی تمیز ہو جائے اور برے بھلے کا حال ہر ایک پر کھل جائے۔ کیونکہ اللہ تو عالم الغیب ہے۔ اس کے نزدیک تو ظاہر و باطن برابر ہے، جو نہیں ہوا، اسے بھی وہ تو اسی طرح جانتا ہے جس طرح اسے جو ہو چکا۔ لیکن اس کی عادت ہے کہ جب تک مخلوق عمل نہ کر لے، انہیں صرف اپنے علم کی بنا پر جزا سزا نہیں دیتا۔ جیسے اس کا فرمان ہے **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ** الخ ہم تمہیں خوب پرکھ کر مجاہدین صابریں کو تم میں سے ممتاز کر دیں گے۔ پس وجود سے پہلے کا علم، پھر وجود کے بعد کا علم دونوں اللہ کو ہیں اور اس کے بعد جزا سزا۔ جیسے فرمایا **مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ** الخ یعنی اللہ تعالیٰ جس

حال پر تم ہو اسی پر مومنوں کو چھوڑ دے ایسا نہیں جب تک کہ وہ بھلے برے کی تمیز نہ کر لے نہ اللہ ایسا ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ یہ اس لئے کہ بچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور عہد شکن منافقوں کو سزا دے۔ یا انہیں تو فتنے تو بدے کہ یہ اپنی روش بدل دیں اور سچے دل سے اللہ کی طرف جھک جائیں تو اللہ بھی ان پر مہربان ہو جائے اور ان کی خطائیں معاف فرما دے۔ اس لئے کہ وہ اپنی مخلوق کی خطائیں معاف فرمانے والا اور ان پر مہربانیاں کرنے والا ہے۔ اس کی رافت و رحمت، غضب و غصے سے بڑھی ہوئی ہے۔

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۝۵۱

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے ہی نامراد لوٹا دیا کہ ان کی کوئی مراد پوری نہ ہوئی اور اس جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنوں کو کافی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا اور غالب ہے ○

اللہ عز و جل کفار سے خود بچنے: ☆ ☆ (آیت: ۲۵) اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ اس نے طوفان باد و باراں بھیج کر اور اپنے نہ نظر آنے والے لشکراتار کر کافروں کی کمر توڑ دی اور انہیں سخت مایوسی اور نامرادی کے ساتھ محاصرہ ہٹانا پڑا۔ بلکہ اگر رحمتہ للعالمین کی امت میں یہ نہ ہوتے تو یہ ہوا میں ان کے ساتھ وہی کرتیں جو عادیوں کے ساتھ اس بے برکت ہوانے کیا تھا۔ چونکہ رب العالمین کا فرمان ہے کہ تو جب تک ان میں ہے اللہ انہیں عام عذاب نہیں کرے گا۔ لہذا انہیں صرف ان کی شرارت کا مزہ چکھا دیا۔ ان کے مجمع کو منتشر کر کے ان پر سے اپنا عذاب ہٹالیا۔ چونکہ ان کا یہ اجتماع محض ہوائے نفسانی تھا اس لئے ہوانے ہی انہیں پراگندہ کر دیا۔ جو سوچ سمجھ کر آئے تھے سب خاک میں مل گیا، کہاں کی غنیمت؟ کہاں کی فتح؟ جان کے لال پڑ گئے۔ اور ہاتھ ملتے، دانت پیستے پیچ و تاب کھاتے، ذلت و رسوائی کے ساتھ نامرادی اور ناکامیابی سے واپس ہوئے۔ دنیا کا خسارہ الگ ہوا۔ آخرت کا وبال الگ ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کام کا قصد کرے اور اپنے قصد کو عملی صورت بھی دے دے پھر وہ اس میں کامیاب نہ ہو گنہگار تو ہو ہی گیا۔ پس رسول اللہ ﷺ کے قتل اور آپ کے دین کو فنا کرنے کی آرزو پھر اہتمام پھر اقدام سب کچھ انہوں نے کر لیا۔ لیکن قدرت نے دونوں جہان کا بوجھ ان پر لا دیا انہیں جلد دل سے واپس کیا اللہ تعالیٰ نے خود ہی مومنوں کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا۔ نہ مسلمان ان سے لڑے نہ انہیں ہٹایا بلکہ مسلمان اپنی جگہ رہے اور وہ بھاگتے رہے۔ اللہ نے اپنے لشکر کی لاج رکھ لی اور اپنے بندے کی مدد کی اور خود ہی کافی ہو گیا۔ اسی لئے حضور فرمایا کرتے تھے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کی عزت کی۔ تمام دشمنوں سے آپ ہی منٹ لیا اور سب کو شکست دے دی۔ اس کے بعد اور کوئی بھی نہیں (بخاری مسلم) حضور نے جنگ احزاب کے موقع پر جناب باری تعالیٰ سے جو دعا کی تھی وہ بھی بخاری مسلم میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ مَنَزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ اِهْزِمِ الْاَحْزَابَ وَ زَلْزِلْ لَهُمْ اَسَ اللّٰهُ اے کتاب کے اتارنے والے جلد حساب لے لینے والے ان لشکروں کو شکست دے اور انہیں ہلا ڈال۔ اس فرمان وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ یعنی اللہ نے مومنوں کی کفایت جنگ سے کر دی۔ اس میں ایک نہایت لطیف بات یہ ہے کہ نہ صرف اس جنگ سے ہی مسلمان چھوٹ گئے بلکہ آئندہ ہمیشہ ہی صحابہ اس سے بچ گئے کہ مشرکین ان پر چڑھ دوڑیں۔ چنانچہ آپ تاریخ دیکھ لیں جنگ خندق کے بعد کافروں کی ہمت ہی نہیں پڑی کہ وہ مدینے پر یا حضور پر کسی جگہ خود چڑھائی کرتے۔ ان کے منحوس قدموں سے اللہ نے اپنے نبی کے مسکن و آرام گاہ کو محفوظ کر لیا۔ فالحمد للہ۔

بلکہ برخلاف اس کے مسلمان ان پر چڑھ چڑھ گئے یہاں تک کہ عرب کی سرزمین سے اللہ نے شرک و کفر ختم کر دیا۔ جب اس جنگ

سے کافر لوٹے اسی وقت رسول اکرم ﷺ نے بطور پیشین گوئی فرمادیا تھا کہ اس سال کے بعد قریش تم سے جنگ نہیں کریں گے بلکہ تم ان سے جنگ کرو گے چنانچہ یہی ہوا۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ اللہ کی قوت کا مقابلہ بندے کے بس کا نہیں۔ اللہ کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ اسی نے اپنی مدد و قوت سے ان پھرے ہوئے اور نکھرے ہوئے لشکروں کو پسپا کیا۔ انہیں برائے نام بھی کوئی نفع نہ پہنچا۔ اس نے اسلام اور اہل اسلام کو غالب کیا، اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے عبد و رسول کی مدد فرمائی۔ فالحمد للہ۔

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ
وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ
فَرِيقًا ۖ وَأَوْرَثَكُمُ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّهُمْ
تَطُوهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

جن اہل کتاب نے ان سے ساز باز کر لی تھی انہیں بھی اللہ نے ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان کے دلوں میں بھی رعب بھر دیا کہ تم ان کی ایک جماعت کو قتل کر رہے ہو اور ایک جماعت کو قیدی بنا رہے ہو ○ اس نے تمہیں ان کی زمینوں کا ان کے گھریار کا ان کے مال کا وارث کر دیا اور اس زمین کا بھی جس پر تمہارے قدم ہی نہیں گئے اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتے پر قادر ہے ○

کفار نے عین موقع پر دھوکہ دیا: ☆ ☆ (آیت: ۲۶-۲۷) اتنا ہم پہلے لکھ چکے ہیں جب مشرکین و یہود کے لشکر مدینے پر آئے اور انہوں نے گھیرا ڈالا تو بنو قریظہ کے یہودی جو مدینے میں تھے اور جن سے حضور کا عہد و پیمان ہو چکا تھا انہوں نے بھی عین موقع پر یوفائی کی اور عہد توڑ کر آنکھیں دکھانے لگے۔ ان کا سردار کعب بن اسد باتوں میں آ گیا اور جی بن اخطب خبیث نے اسے بد عہدی پر آمادہ کر دیا۔ پہلے تو یہ نہ مانا اور اپنے عہد پر قائم رہا، جی نے کہا کہ دیکھ تو سہی میں تو تجھے عزت کا تاج پہنانے آیا ہوں۔ قریش اور ان کے ساتھی غطفان اور ان کے ساتھی اور ہم سب ایک ساتھ ہیں۔ ہم نے تم کھار کھی ہے کہ جب تک ایک ایک مسلمان کا قیمہ نہ کر لیں یہاں سے نہیں ہٹنے کے کعب چونکہ جہاندیدہ شخص تھا اس نے جواب دیا کہ محض غلط ہے۔ یہ تمہارے بس کے نہیں، تو ہمیں ذلت کا طوق پہنانے آیا ہے۔ تو بڑا منحوس شخص ہے۔ میرے سامنے سے ہٹ جا اور مجھے اپنی مکاری کا شکار نہ بنا لیکن جی پھر بھی نہ ٹلا اور اسے سمجھا تا بجھا تا رہا۔ آخر میں کہا، سن اگر بالفرض قریش اور غطفان بھاگ بھی جائیں تو میں مع اپنی جماعت کے تیری گڑھی میں آ جاؤں گا اور جو کچھ تیرا اور تیری قوم کا حال ہوگا وہی میرا اور میری قوم کا حال ہوگا۔ بالآخر کعب پر جی کا جادو چل گیا اور بنو قریظہ نے صلح توڑ دی جس سے حضور کو اور صحابہ کو سخت صدمہ ہوا اور بہت ہی بھاری پڑا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے غلاموں کی مدد کی اور حضور مع اصحاب کے مظفر و منصور مدینے شریف کو واپس آئے صحابہ نے ہتھیار کھول دیئے اور حضور بھی ہتھیار اتار کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں گرد و غبار سے پاک صاف ہونے کے لئے غسل کرنے کو بیٹھے ہی تھے جو حضرت جبریل طاہر ہوئے۔ آپ کے سر پر ریشمی عمامہ تھا، خنجر پر سوار تھے جس پر ریشمی گدی تھی فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے کمر کھول لی؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا لیکن فرشتوں نے اب تک اپنے ہتھیار الگ نہیں کئے۔ میں کافروں کے تعاقب سے ابھی ابھی آ رہا ہوں۔ سنئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ کی طرف چلے اور ان کی پوری گوشمالی کیجئے۔ مجھے بھی اللہ کا حکم مل چکا ہے کہ میں انہیں تھرا دوں۔

حضور اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے تیار ہو کر صحابہ کو کوچ کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک عصر کی نماز بنوقریظہ میں ہی پڑھے۔ ظہر کے بعد یہ حکم ملا تھا۔ بنوقریظہ کا قلعہ یہاں سے کئی میل پر تھا۔ نماز کا وقت صحابہ گوراہتہ ہی میں آ گیا تو بعض نے تو نماز ادا کر لی اور فرمایا حضور کے اس فرمان کا مطلب یہی تھا کہ ہم بہت تیز چال چلیں۔ اور بعض نے کہا، ہم تو وہاں پہنچے بغیر نماز نہیں پڑھیں گے۔ جب آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے دونوں میں سے کسی کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ آپ نے مدینہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ میں لشکر کا جھنڈا دیا اور آپ بھی صحابہ کے پیچھے ہی پیچھے بنوقریظہ کی طرف چلے اور جا کر ان کے قلعہ کو گھیر لیا۔ یہ محاصرہ پچیس روز تک رہا۔ جب یہودیوں کا ناک میں دم آ گیا اور تنگ حال ہو گئے تو انہوں نے اپنا حکم حضرت سعد بن معاذؓ کو بنایا جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ بنوقریظہ میں اور قبیلہ اوس میں زمانہ جاہلیت میں اتفاق و یگانگت تھی ایک دوسرے کے حلیف تھے اس لئے ان یہودیوں کو یہ خیال رہا کہ حضرت سعد ہمارا لحاظ اور پاس کریں گے جیسے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول نے بنوقریظہ کو چھڑوایا تھا۔

ادھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جنگ خندق میں نہیں اکھل کی رگ میں ایک تیر لگا تھا جس سے خون جاری تھا۔ حضور ﷺ نے زخم پر داغ لگوا دیا تھا اور مسجد کے خیمے میں ہی انہیں رکھا تھا کہ پاس ہی پاس عیادت اور بیمار پرسی کر لیا کریں۔ حضرت سعدؓ نے جو دعائیں کیں ان میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ اے پروردگار اگر اب میں کوئی ایسی لڑائی باقی ہے جس میں کفار قریش تیرے نبیؐ پر چڑھ آئیں تو تو مجھے زندہ رکھ کہ میں اس میں شرکت کر سکوں اور اگر تو نے کوئی ایک لڑائی بھی ایسی باقی نہیں رکھی تو خیر میرا زخم خون بہاتا رہے لیکن اے میرے رب جب تک میں بنوقریظہ قبیلے کی سرکشی کی سزا سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر لوں تو میری موت کو موخر فرما۔ حضرت سعدؓ جیسے مستجاب الدعوات کی دعا کی قبولیت کی شان دیکھئے کہ آپ یہ دعا کرتے ہیں، ادھر یہود ان بنوقریظہ آپ کے فیصلے پر اظہار رضامندی کر کے قلعے کو مسلمانوں کے سپرد کرتے ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ آ دی بھیج کر آپ کو مدینہ سے بلواتے ہیں کہ آپ آ کر ان کے بارے میں اپنا فیصلہ سنا دیں۔ یہ گدھے پر سوار کر لئے گئے اور سارا قبیلہ ان سے لپٹ گیا کہ دیکھئے حضرت خیال رکھئے گا، بنوقریظہ آپ کے آ دی ہیں۔ انہوں نے آپ پر بھروسہ کیا ہے وہ آپ کے حلیف ہیں، آپ کی قوم کے دکھ سکھ کے ساتھی ہیں۔ آپ ان پر رحم فرمائیے گا، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیے گا۔ دیکھئے اس وقت ان کا کوئی نہیں وہ آپ کے بس میں ہیں وغیرہ لیکن حضرت سعدؓ خاموش تھے۔ کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ ان لوگوں نے مجبور کیا کہ جواب دیں۔ پیچھا ہی نہ چھوڑا۔ آخر آپ نے فرمایا، وقت آ گیا ہے کہ سعدؓ اس بات کا ثبوت دے کہ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں یہ سنتے ہی ان لوگوں کے تو دل ڈوب گئے اور سمجھ لیا کہ بنوقریظہ کی خیر نہیں۔

جب حضرت سعدؓ کی سواری اس خیمے کے قریب پہنچ گئی جس میں جناب رسول اللہ ﷺ تھے تو آپ نے فرمایا، لوگو! اپنے سردار کے استقبال کے لئے اٹھو چنانچہ مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو عزت و اکرام و وقعت و احترام سے سواری سے اتارا۔ یہ اس لئے تھا کہ اس وقت آپ حکم کی حیثیت میں تھے ان کے فیصلے پورے ناطق و نافذ سمجھے جائیں۔ آپ کے بیٹھے ہی حضورؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ آپ کے فیصلے پر رضامند ہو کر قلعے سے نکل آئے ہیں۔ اب آپ ان کے بارے میں جو چاہیں حکم کیجئے۔ آپ نے کہا، کیا جو میں ان پر حکم کروں وہ پورا ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا، ہاں کیوں نہیں۔ کہا اور اس خیمہ والوں پر بھی اس کی تعمیل ضروری ہوگی؟ آپ نے فرمایا یقیناً۔ پوچھا اور اس طرف والوں پر بھی؟ اور اشارہ اس طرف کیا جس طرف خود رسول اکرم ﷺ تھے۔ لیکن آپ کی طرف نہیں دیکھا آپ کی بزرگی اور عزت و عظمت کی وجہ سے حضورؐ نے جواب دیا، ہاں اس طرف والوں پر بھی۔ آپ نے فرمایا، اب میرا فیصلہ سنئے۔ میں کہتا ہوں، بنوقریظہ میں جتنے لوگ لڑنے والے ہیں انہیں قتل کر دیا جائے، ان کی اولاد کو قید کر لیا جائے، ان کے مال قبضے میں لائے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے سعدؓ تم نے ان کے

بارے میں وہی حکم کیا جو اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے اوپر حکم کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، تم نے سچے مالک اللہ تعالیٰ کا جو حکم تھا وہی سنایا ہے۔

پھر حضورؐ کے حکم سے خندقیں کھائی کھدوا کر انہیں بندھا ہوا بلوا کر ان کی گردنیں ماری گئیں۔ یہ گنتی میں سات آٹھ سو تھے۔ ان کی عورتیں نابالغ بچے اور مال لے لئے گئے۔ ہم نے یہ کھل واقعات اپنی کتاب السیر میں تفصیل سے لکھ دیئے ہیں۔ والحمد للہ۔

پس فرماتا ہے کہ جن اہل کتاب یعنی یہودیوں نے کافروں کے لشکروں کی ہمت افزائی کی تھی اور ان کا ساتھ دیا تھا ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعے خالی کرادیئے۔ اس قوم قریطہ کے بڑے سردار جن سے ان کی نسل جاری ہوئی تھی اگلے زمانے میں آ کر حجاز میں اس طبع میں بے تھے کہ نبی آخر الزماں کی پیش گوئی ہماری کتابوں میں ہے۔ وہ چونکہ یہیں ہونے والے ہیں تو ہم سب سے پہلے آپؐ کی اتباع کی سعادت سے مسعود ہوں گے۔ لیکن ان ناخلفوں نے جب اللہ کے وہ نبی آئے ان کی تکذیب کی جس کی وجہ سے اللہ کی لعنت ان پر نازل ہوئی۔ ”صیاصی“ سے مراد قلعے ہیں۔ اسی معنی کے لحاظ سے سینکڑوں کو بھی صیاصی کہتے ہیں اس لئے کہ جانور کے سارے جسم کے اوپر اور سب سے بلند یہی ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا انہوں نے ہی مشرکین کو بھڑکا کر رسول اللہ ﷺ پر چڑھا کر ان کی تھی۔ عالم جاہل برا نہیں ہوتے۔ یہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو جڑوں سے اکھیڑ دینا چاہا تھا لیکن معاملہ برعکس ہو گیا پانسہ پلٹ گیا قوت کمزوری سے اور مراد نامرادی سے بدل گئی۔ نقشہ بگڑ گیا۔ حمایتی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ بے دست و پارہ گئے۔ عزت کی خواہش نے ذلت دکھائی۔ مسلمانوں کے برابر کرنے اور پیس ڈالنے کی خواہش نے اپنے تئیں پسوا دیا اور ابھی آخرت کی محرومی باقی ہے۔ کچھ قتل کر دیئے گئے باقی قید کر لئے گئے۔ عطیہ فرغی کا بیان ہے کہ میں جب حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو میرے بارے میں حضورؐ کو کچھ تردید ہو۔ فرمایا، اسے الگ لے جاؤ۔ دیکھو اگر اس کے ناف کے نیچے ہال ہوں تو قتل کرو۔ ورنہ قیدیوں میں بٹھا دو دیکھا تو میں بچہ ہی تھا۔ زندہ چھوڑ دیا گیا۔ ان کی زمین گھرانے کے مال کے مالک مسلمان بن گئے بلکہ اس زمین کے بھی جواب تک پڑی تھی اور جہاں مسلمانوں کے نشان قدم بھی نہ پڑے تھے یعنی خبیر کی زمین یا مکہ شریف کی زمین۔ یا فارس یا روم کی زمین اور ممکن ہے کہ یہ کھل خطے مراد ہوں اللہ بڑی قدرتوں والا ہے۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ خندق والے دن میں لشکر کا کچھ حال معلوم کرنے نکلے۔ مجھے اپنے پیچھے سے کسی کے بہت تیز آنے کی آہٹ اور اس کے ہتھیاروں کی جھکارسنائی دی۔ میں راستے سے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کی طرف جارہے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بھائی حارث بن اوس تھے جن کے ہاتھ میں ان کی ڈھال تھی۔ حضرت سعدؓ نوہے کی زرہ پہنے ہوئے تھے لیکن بڑے لالچے چوڑے تھے زرہ پورے بدن پر نہیں آئی تھی ہاتھ کھلے تھے۔ اشعار رجز پڑھتے ہوئے جھومتے جھومتے چلے جارہے تھے۔ میں یہاں سے اور آگے بڑھی اور ایک باغیچے میں چلی گئی۔ وہاں کچھ مسلمان موجود تھے جن میں حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے اور ایک اور صاحب جو خود اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے مجھے دیکھ لیا۔ پس پھر کیا تھا؟ بڑے ہی گڑے اور مجھ سے فرمانے لگے، یہ دلیری؟ تم نہیں جانتیں لڑائی ہو رہی ہے؟ اللہ جانے کیا نتیجہ ہو؟ تم کیسے یہاں چلی آئیں وغیرہ وغیرہ۔ جو صاحب مغفر سے اپنا منہ چھپائے ہوئے تھے انہوں نے عمر فاروقؓ کی یہ باتیں سن کر اپنے سر سے لوہے کا ٹوپ اتار دیکھا۔ اب میں پہچان گئی کہ وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو خاموش کیا کہ کیا ملامت شروع کر رکھی ہے۔ نتیجہ کا کیا ڈر ہے؟ کیوں تمہیں اتنی گھبراہٹ ہے؟ کوئی بھاگ کے جائے گا کہاں؟ سب کچھ اللہ کے ہاتھ ہے۔ حضرت سعدؓ کو ایک قریشی نے تاک کر تیر لگایا اور کہا، لے میں ابن عرقہ ہوں۔ حضرت سعدؓ کی رگ اٹھل پر وہ تیر پڑا اور پیوست ہو گیا۔ خون کے نوارے چھوٹ گئے۔ اسی وقت آپؐ نے دعا کی

کہ اے اللہ مجھے موت نہ دینا جب تک کہ بنو قریظہ کی تباہی اپنی آنکھوں نہ دیکھ لوں۔ اللہ کی شان سے اسی وقت خون قہم گیا۔ مشرکین کو ہواؤں نے بھگا دیا اور اللہ نے مومنوں کی کفایت کر دی۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی تو بھاگ کر ہتھامہ میں چلے گئے عینہ بن بدر اور اس کے ساتھی نجد میں چلے گئے۔ بنو قریظہ اپنے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔ میدان خالی دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مدینہ میں واپس تشریف لے آئے۔

حضرت سعدؓ کے لئے مسجد میں ہی چڑے کا ایک خیمہ نصب کیا گیا۔ اسی وقت حضرت جبریلؑ آئے، آپ کا چہرہ گرد آلود تھا۔ فرمانے لگے۔ آپؐ نے ہتھیار کھول دیئے؟ حالانکہ فرشتے اب تک ہتھیار بند ہیں۔ اٹھئے بنو قریظہ سے بھی فیصلہ کر لیجئے۔ ان پر چڑھائی کیجئے۔ حضورؐ نے فوراً ہتھیار لگا لئے اور صحابہؓ میں بھی کوچ کی مینادی کرادی۔ بنو تمیم کے مکانات مسجد نبوی سے متصل ہی تھے۔ راہ میں آپؐ نے ان سے پوچھا، کیوں بھی کسی کو جاتے ہوئے دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ابھی ابھی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ گئے ہیں۔ حالانکہ تھے تو وہ حضرت جبریلؑ لیکن آپؐ کی داڑھی چہرہ وغیرہ بالکل حضرت دحیہ کلبی سے ملتا جلتا تھا۔ اب آپؐ نے جا کر بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پچیس روز تک یہ محاصرہ رہا۔ جب وہ گھبرائے اور تنگ آ گئے تو ان سے کہا گیا کہ قلعہ ہمیں سوپ دو اور تم اپنے آپ کو بھی ہمارے حوالے کر دو۔ رسول اللہ ﷺ تمہارے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرما دیں گے۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمذر سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ صورت میں تو اپنی جان سے ہاتھ دھو لینا ہے۔ انہوں نے یہ معلوم کر کے اسے تو نا منظور کر دیا اور کہنے لگے، ہم قلعہ خالی کر دیتے ہیں آپؐ کی فوج کو قبضہ دے دیتے ہیں۔ ہمارے بارے کا فیصلہ ہم حضرت سعد بن معاذؓ کو دیتے ہیں۔ آپؐ نے اسے بھی منظور فرمایا۔ حضرت سعدؓ کو بلوایا۔ آپ تشریف لے آئے، گدھے پر سوار تھے جس پر کھجور کے درخت کی چھال کی گدی تھی۔ آپ اس پر بمشکل سوار کرا دیئے گئے تھے آپؐ کی قوم آپ کو گھیرے ہوئے تھی اور سمجھا رہی تھی کہ دیکھو بنو قریظہ ہمارے حلیف ہیں ہمارے دوست ہیں۔ ہماری موت وزیت کے شریک ہیں اور ان کے تعلقات جو ہم سے ہیں وہ آپؐ پر پوشیدہ نہیں۔ آپ خاموشی سے سب کی باتیں سنتے جاتے تھے۔ جب ان کے محلہ میں پہنچے تو ان کی طرف نظر ڈالی اور کہا، وقت آ گیا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی مطلقاً پرواہ نہ کروں۔

جب حضورؐ کے خیمے کے پاس ان کی سواری پہنچی تو حضورؐ نے فرمایا، اپنے سید کی طرف اٹھو اور انہیں اتارو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہمارا سید تو اللہ ہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اتارو۔ لوگوں نے نل جل کر انہیں سواری سے اتارا۔ حضورؐ نے فرمایا سعدؓ ان کے بارے میں جو حکم کرنا چاہو کر دو۔ آپؐ نے فرمایا، ان کے بڑے قتل کر دیئے جائیں، ان کے چھوٹے غلام بنائے جائیں، ان کا مال تقسیم کر لیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا۔ سعدؓ تم نے اس حکم میں اللہ رسولؐ کی پوری موافقت کی۔ پھر حضرت سعدؓ نے دعا مانگی کہ اے اللہ اگر تیرے نبیؐ پر قریش کی کوئی اور چڑھائی بھی باقی ہو تو مجھے اس کی شمولیت کے لئے زندہ رکھ دو ورنہ اپنی طرف بلا لے۔ اسی وقت زخم سے خون بہنے لگا حالانکہ وہ پورا بھر چکا تھا یونہی ساباتی تھا چنانچہ انہیں پھر واپس اسی خیمے میں پہنچا دیا گیا اور آپؐ وہیں شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔ خود حضورؐ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ وغیرہ بھی آئے سب رو رہے تھے اور ابوبکرؓ کی آواز اور عمرؓ کی آواز میں پہچان بھی ہو رہی تھی۔ میں اس وقت اپنے حجرے میں تھی۔ نبیؐ الواتع اصحاب رسولؐ ایسے ہی تھے جیسے اللہ نے فرمایا رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ آپس میں ایک دوسرے کی پوری محبت اور ایک دوسرے سے الفت رکھنے والے تھے۔ حضرت علقمہؓ نے پوچھا، ام المومنینؓ یہ تو فرمائیے کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح رویا کرتے تھے؟ فرمایا آپؐ کی آنکھیں کسی پر آنسو نہیں بہاتی تھیں ہاں غم و رنج کے موقعہ پر آپؐ داڑھی مبارک اپنی مٹھی میں لے لیتے تھے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأَسْرِحْكِ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝
وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ
لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تمہاری مراد زندگی دنیا اور زینت دنیا ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں ○ اور اگر تمہاری مراد اللہ اور رسول اللہ اور آخرت کا گھر ہے تو یقین مانو کہ تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بزرگ اجر رکھ چھوڑے ہیں ○

امہات المؤمنین سے پرسش! دین یا دنیا؟ ☆☆ (آیت: ۲۸-۲۹) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اپنی بیویوں کو دو باتوں میں سے ایک کی قبولیت کا اختیار دیں۔ اگر تم دنیا پر اور اس کی رونق پر مائل ہوئی ہو تو آؤ میں تمہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیتا ہوں اور اگر تم تنگی ترشی پر یہاں صبر کر کے اللہ کی خوشی رسول کی رضامندی چاہتی ہو اور آخرت کی رونق پسند ہے تو صبر و سہار سے میرے ساتھ زندگی گزارو۔ اللہ تمہیں وہاں کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ اللہ آپ کی تمام بیویوں سے جو ہماری مائیں ہیں خوش رہے۔ سب نے اللہ کو اس کے رسول کو اور دار آخرت کو ہی پسند فرمایا جس پر رب راضی ہوا اور پھر آخرت کے ساتھ ہی دنیا کی سریتیں بھی عطا فرمائیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ اس آیت کے اترتے ہی اللہ کے نبی میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ میں ایک بات کا تم سے ذکر کرنے والا ہوں۔ تم جواب میں جلدی نہ کرنا اپنے ماں باپ سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ یہ تو آپ جانتے ہی تھے کہ ناممکن ہے کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدائی کرنے کا مشورہ دیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ یا رسول اللہ اس میں ماں باپ سے مشورہ کرنے کی کون سی بات ہے۔ مجھے اللہ پسند ہے اس کے رسول پسند ہیں اور آخرت کا گھر پسند ہے۔ آپ کی اور تمام بیویوں نے بھی وہی کیا جو میں نے کیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ تین دفعہ حضور نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ دیکھو بغیر اپنے ماں باپ سے مشورہ کئے کوئی فیصلہ نہ کر لینا۔ پھر جب حضور نے میرا جواب سنا تو آپ خوش ہو گئے اور ہنس دیئے۔ پھر آپ دوسری ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے۔ ان سے پہلے ہی فرمادیتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو یہ جواب دیا ہے۔ وہ کہتی تھیں یہی جواب ہمارا بھی ہے۔ فرماتی ہیں کہ اس اختیار کے بعد جب ہم نے آپ کو اختیار کیا تو یہ اختیار طلاق میں شمار نہیں ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ لوگ آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ اندر تشریف فرما تھے اجازت ملی نہیں۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی آ گئے۔ اجازت چاہی لیکن انہیں بھی اجازت نہ ملی۔ تھوڑی دیر میں دونوں کو یاد فرمایا گیا۔ گئے دیکھا کہ آپ کی ازواج مطہرات آپ کے پاس بیٹھی ہیں اور آپ خاموش ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا دیکھو میں اللہ کے پیغمبر کو ہنسا دیتا ہوں۔

پھر کہنے لگے یا رسول اللہ کاش کہ آپ دیکھتے میری بیوی نے آج مجھ سے روپیہ پیسہ مانگا میرے پاس تھا نہیں جب زیادہ ضد کرنے لگیں تو میں نے اٹھ کر گردن ناپی۔ یہ سنتے ہی حضور ہنس پڑے اور فرمانے لگے یہاں بھی یہی قصہ ہے دیکھو یہ سب بیٹھی ہوئی مجھ سے مال طلب کر رہی ہیں؟ ابوبکرؓ حضرت عائشہ کی طرف لپکے اور عمرؓ حضرت حفصہ کی طرف اور فرمانے لگے افسوس تم رسول اللہ سے وہ مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں۔ وہ تو کہنے خیر گزری جو رسول اللہ نے انہیں روک لیا ورنہ عجب نہیں دونوں بزرگ اپنی اپنی صاحبزادیوں کو مارتے۔ اب تو

سب بیویاں کہنے لگیں کہ اچھا قصور ہوا اب سے ہم حضورؐ کو ہرگز اس طرح تنگ نہ کریں گی۔ اب یہ آیتیں اتریں اور دنیا اور آخرت کی پسندیدگی میں اختیار دیا گیا۔ سب سے پہلے آپؐ حضرت صدیقہؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے آخرت کو پسند کیا جیسے کہ تفصیل وار بیان گزر چکا۔ ساتھ ہی درخواست کی کہ یا رسول اللہؐ آپ اپنی کسی بیوی سے یہ نہ فرمائیے گا کہ میں نے آپؐ کو اختیار کیا۔

آپؐ نے جواب دیا کہ اللہ نے مجھے چھپانے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ میں سکھانے والا آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مجھ سے تو جو دریافت کرے گی، میں صاف صاف بتا دوں گا۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ طلاق کا اختیار نہیں دیا گیا تھا بلکہ دنیا یا آخرت کی ترجیح کا اختیار دیا تھا لیکن اس کی سند میں بھی انقطاع ہے اور یہ آیت کے ظاہری لفظوں کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آیت کے آخر میں صاف موجود ہے کہ آؤ میں تمہارے حقوق ادا کر دوں اور تمہیں رہائی دے دوں۔ اس میں علماء کرام کا گواہ اختلاف ہے کہ اگر آپؐ طلاق دے دیں تو پھر کسی کو ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جائز ہے تاکہ اس طلاق سے وہ نتیجہ طے یعنی دنیا طلی اور دنیا کی زینت و رونق۔ وہ انہیں حاصل ہو سکے۔ واللہ اعلم۔ جب یہ آیت اتری اور جب اس کا حکم حضورؐ نے ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہن کو سنایا، اس وقت آپؐ کی بیویاں تھیں۔ پانچ تو قریش سے تعلق رکھتی تھیں عائشہؓ حفصہؓ سودہ اور ام سلمہؓ رضی اللہ عنہن اور صفیہ بنت حنی قبیلہ نصر سے تھیں، میمونہ بنت حارث ہلالیہ قبیلہ نضیب بنت جحش اسدیہ تھیں اور جویریہ بنت حارث جو مصطلقیہ تھیں۔ رضی اللہ عنہن وارضاء عنہن اجمعین۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ مَنْ يٰۤاتِ مِنْكَ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَعَفْ لَهَا
الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا

اے نبیؐ کی بیویاں تم میں سے جو بھی کوئی کھلی بد اخلاقی کرے گی اسے دوہرا دوہرا عذاب کیا جائے گا۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل بات ہے ○

امہات المؤمنین سب سے معزز قرار دے دی گئیں: ☆ ☆ (آیت: ۳۰) حضورؐ کی بیویوں نے یعنی مومنوں کی ماؤں نے جب اللہ کو اس کے رسولؐ کو اور آخرت کے پہلے گھر کو پسند کر لیا اور حضورؐ ﷺ کے گھر میں وہ ہمیشہ کے لئے مقرر ہو چکیں تو اب جناب باری عز اسمہ اس آیت میں انہیں وعظ فرما رہا ہے اور بتلادیا کہ تمہارا معاملہ عام عورتوں جیسا نہیں ہے۔ اگر بالفرض تم نے نبیؐ کی فرمانبرداری سے سرتابی کی اور اگر بالفرض تم سے کوئی بد خلقی سرزد ہوئی تو تمہیں دنیا اور آخرت میں عتاب ہوگا۔ چونکہ تمہارے بڑے رتبے ہیں تمہیں گناہوں سے بالکل دور رہنا چاہیے۔ ورنہ رتبے کے مطابق مشکل بھی بڑھ جائے گی۔ اللہ پر سب باتیں سہل اور آسان ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ فرمان بطور شرط کے ہے اور شرط کا ہونا ضروری نہیں ہوتا جیسے فرمان ہے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ الْخِ اے نبیؐ اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔ نبیوں کا ذکر کر کے فرمایا وَلَوْ اَشْرَكُوا لَحِطْنَا عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اگر یہ شرک کریں تو ان کی نیکیاں بیکار ہو جائیں۔ اور آیت میں ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَّا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ اگر رحمان کے اولاد ہو تو میں تو سب سے پہلے عابد ہوں۔ اور آیت میں ارشاد ہو رہا ہے لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّا صُطْفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ الْخِ یعنی اگر اللہ کو اولاد منظور ہوتی تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا پسند فرالیتا۔ وہ پاک ہے۔ وہ یکتا اور ایک ہے۔ وہ غالب اور سب پر حکمران ہے۔ پس ان پانچوں آیتوں میں شرط کے ساتھ بیان ہے لیکن ایسا ہوا نہیں۔ نہ نبیوں سے شرک ہونا ممکن نہ سردار رسولاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے یہ ممکن۔ نہ اللہ کی اولاد۔ اسی طرح امہات المؤمنین کی نسبت بھی جو فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی کھلی لغو حرکت کرے تو اسے دگنی سزا ہوگی اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ واقعی ان میں سے کسی نے کوئی ایسی نافرمانی اور بد خلقی کی ہو۔ نعوذ باللہ۔